إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تار کا پتہ الفضل قادیان

الفضل قادیان

ایڈیٹر: غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.

نمبر ۵۸ | مورخہ ۳ شعبان ۱۳۵۳ھ | یوم یکشنبہ | مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۳۴ء | جلد ۲۲

مدینۃ المسیح

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰے کے متعلق ۹ نومبر بوقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر کی ڈاکٹری رپورٹ مظہر ہے کہ حضور کو ابھی تک درد کمر کی شکایت ہے۔ گو پہلے سے کم ہے احباب دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالٰے حضور کو کامل صحت عطا فرمائے۔ اس تکلیف کے باوجود ۹ نومبر حضور نے قریبًا دو گھنٹہ تک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں ان قربانیوں کے سلسلہ میں جن کا حضور موجودہ حالات کے ماتحت جماعت سے مطالبہ کرنے والے ہیں۔ فی الحال بطور آزمائش چندوں کی باقاعدہ ادائیگی بقایاجات کی صفائی۔ اور آپس میں ناراضگی رکھنے والے بھائیوں کو ایک دوسرے سے صلح کر کے جماعت کو بنیان مرصوص ہوجانے کا ارشاد فرمایا۔ مفصل خطبہ انشاء اللہ اپنے وقت پر شائع کیا جائے گا۔

شیخ مبارک احمد صاحب مولوی فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نیروبی (افریقہ) سلسلہ تبلیغ جانے کے لئے ۱۱۔ نومبر ۴ بجے شام کی گاڑی سے ...

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

قرآن کریم خدا تعالٰی کی سچی اور کامل کتاب ہے

(فرمودہ ۱۱۔ نومبر ۱۹۰۷ء)

"مسلمان انسان اسی صورت میں رہ سکتا ہے جب سچے دل سے کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پر ایمان لائے۔ اور پورے طور سے اس پر کاربند ہو جائے۔ اور اس کے بعد قرآن شریف پر ایمان رکھے۔ کہ وہ خدا تعالٰے کی سچی۔ اور کامل کتاب ہے اور وہی ایک کلام ہے جس پر خدا کی مُہر ہے انسان کو اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ اور اسی کے بتائے ہوئے احکام پر چلنا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دکھلائے ہوئے نمونہ پر کاربند ہونا یہی صراط مستقیم ہے۔ اس کے سوائے کوئی تحریر کشف رویا۔ یا الہام بغیر مُہر کے جائز نہیں۔ جب تک کسی الہام پر خدا کی مہر نہ ہو۔ وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتا۔ دیکھو قرآن شریف کو عربوں جیسے اشد کافر کب مان سکتے تھے۔ اگر خدا کی مُہر اُس پر نہ ہوتی۔ ہمیں بھی اگر کوئی کشف۔ رویا۔ یا الہام ہوتا ہے۔ تو ہمارا دستور ہے۔ کہ اُسے قرآن مجید پر عرض کرتے ہیں۔ اور اُسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔"

(الحکم ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الفضل

نمبر ۵۸ | قادیان دارالامان مورخہ ۳ شعبان ۱۳۵۳ھ | جلد ۲۲

جماعت احمدیہ کے خلاف احراریوں کا فتنہ اور بعض سرکاری افسروں کا غیر منصفانہ رویہ

جماعت احمدیہ کی امتحان کا وقت آپہنچا ہے

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

(فرمودہ ۲ نومبر ۱۹۳۴ء)

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

گزشتہ دنوں مجھے

انفلوئنزا کی شکایت

رہی ہے۔ اور پرسوں اور کل تک تو بخار کی شکایت اور شدید نزلہ۔ اور کھانسی کی تکلیف تھی۔ آج گو مجھے بخار معلوم نہیں ہوتا لیکن پھر بھی کھانسی اور نزلہ کی شکایت ہے۔ جس کی وجہ سے نہ تو میں اونچا بول سکتا ہوں۔ اور نہ ہی زیادہ دیر تک بول سکتا ہوں۔ بالکل ممکن تھا۔ کہ میری بیماری ہی اس بات پر مجھے مجبور کرتی۔ کہ میں اپنے خطبہ کے بعض اہم حصوں کو

آئندہ کے لئے ملتوی

کردوں۔ لیکن اس دوران میں بعض ایسے دوستوں نے کہ جنہیں ہم سے بھی تعلق ہے۔ اور حکومت سے بھی ان کے دوستانہ تعلقات ہیں۔ تحریک کی ہے۔ کہ اس وقت تک میں اپنے

خاص اعلان

کو ملتوی رکھوں۔ جب تک کہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش نہ کرلی جائے۔ جو حکومت کے بعض لوگوں اور ہم میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر ہمیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہو۔ تو ہم تو

ایک مذہبی جماعت

ہیں۔ ہمارا ہمیشہ یہ طریق رہا ہے۔ کہ ہم کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان دوستوں کو میں یہ یقین دلا سکتا ہوں۔ کہ اگر ہماری کسی بات میں

غلطی یا غلط فہمی

ثابت ہو۔ تو ہم اس کے متعلق ہر وقت سزا لینے کے لئے تیار ہیں۔ اور معافی مانگنے کے لئے بھی۔ معاملہ صرف حکومت کا ہے کہ آیا وہ بھی اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہو جائے۔ کہ

حکومت سے غلطی ہوئی ہے

اور وہ اپنی اس غلطی کا اعتراف کرلے۔ تو ہمارا سارا شکوہ دور ہو سکتا ہے۔ مومن کبھی کینہ توز نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ غصہ اپنے دل میں رکھتا ہے۔ بلکہ وہ بنی نوع انسان کی اصلاح چاہتا ہے۔ اور یوں بھی اگر ہمارے مدنظر اصلاح نہ ہو۔ تو ہمیں اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ اپنی غلطی کا اقرار کرلے ہم صرف اس لئے یہ سوال اٹھانا چاہتے ہیں۔ کہ اگر یہ بات نہ اٹھائی جائے۔ تو ہمارے لئے آئندہ

بہت سی مشکلات

پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور ملک کے امن کو بھی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ ورنہ حکومت نے جو کچھ ہمیں کہا ہے۔ وہ ان گالیوں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ جو روزانہ ہم مخالفین کے مونہہ سے سنتے رہتے ہیں۔ حکومت کی یہی غلطی ہے۔ کہ اس نے

ایک دوسرے کا فعل میری طرف منسوب کردیا

مگر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ روزانہ ہم غیر احمدیوں سکھوں۔ اور ہندوؤں سے سنتے ہیں۔ کہ اگر کوئی احمدی نماز نہیں پڑھتا۔ تو وہ کہتے ہیں۔ یہ نبی کی جماعت ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ حالانکہ نمازیں نہیں پڑھتے۔ وہ ایک شخص کے فعل کو

ساری جماعت

کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص درشت کلامی سے پیش آتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ یہ

نبی کی جماعت

ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی زبانیں صاف نہیں وہ فوراً ایک شخص کے فعل کو تمام جماعت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ذرا کسی احمدی کے مونہہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے۔ جو غلط ہو۔ تو چاہے نادانستہ طور پر ہی اس سے یہ فعل سرزد ہو۔ تب بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ بھی جھوٹے ہیں۔ ان کا پیر بھی جھوٹا تھا۔ پس اس معاملہ میں

گورنمنٹ انگریزی کا فعل

کوئی نیا فعل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایک ناظر کا فعل اس نے میری طرف منسوب کر دیا۔ مگر ان گالیوں کے مقابلہ میں جو ہم روزانہ سنتے ہیں۔ اس چیز کی کچھ بھی ہستی نہیں۔ اس سے

ہزاروں گنا زیادہ

گالیاں سنکر اور اس سے لاکھوں گنا زیادہ سخت الفاظ سنکر ہم انہیں برداشت کرتے ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ ہم گورنمنٹ کی اس غلطی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ وہی ہے۔ جسے پہلے بھی میں نے بیان کیا۔ کہ گورنمنٹ کا اس طرح نوٹس دینا جس میں سول ڈس اوبیڈینس کا الزام ہم پر لگایا گیا ہو۔ کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ ہماری جماعت وہ جماعت ہے۔ جسے شروع سے ہی لوگ یہ کہتے چلے آئے۔ کہ یہ

خوشامدی اور گورنمنٹ کی پٹھو

ہے۔ بعض لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ ہم گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔ پنجابی محاورہ کے مطابق ہمیں جھولی چک۔ اور سنٹے "زمینداری" محاورہ کے مطابق ہمیں ٹوڈی کہا جاتا ہے۔ پھر کونسا زمانہ ہم پر ایسا نہیں گزرا۔ جب ہم پر یہ الزام بھی نہ لگایا

گیا ہو ۔ کہ ہم

گورنمنٹ کے باغی

ہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس وقت دعوٰے کیا ۔ اسی وقت سے مکفّر مولویوں نے اور خصوصیت سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے گورنمنٹ کو یہ کہنا شروع کیا ۔ کہ ان لوگوں کی تعریفوں پر نہ جائیے ۔ یہ حکومت کے خیر خواہ نہیں ۔ بلکہ باغی ہیں ۔ اور آج نہیں تو کل تلوار لے کر

حکومت کے خلاف

کھڑے ہو جائیں گے ۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوٰے کے ابتدائی ایام سے ہی ہمیں لوگ یہ کہتے چلے آئے ہیں ۔ کہ ہم گورنمنٹ کے باغی ہیں ۔ اور اب قادیان ۔ اور امرتسر میں احراریوں نے جو تقریریں کی ہیں ۔ ان میں بھی انہوں نے یہی بیان کیا ہے ۔ کہ ان لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں پر نہ جائیے ۔ یہ دراصل

گورنمنٹ کے مخالف

ہیں ۔ پھر اخبار "زمیندار" کے فائل اٹھا کر دیکھ لو ۔ ان میں بھی حکومت کے متعلق یہی لکھا ہوتا ہے ۔ کہ یہ تمہارے دوست کہاں کے ہیں ۔ یہ تو درپردہ مخالف ہیں ۔ پس گورنمنٹ نے اگر آج ہمیں یہ کہدیا ۔ کہ ہم باغی ہیں ۔ تو اس نے کونسا ہمیں نیا خطاب دے دیا ۔ جس پر ہمیں غصہ آئے ۔ دراصل ان اعتراضات کی وجہ سے ہمیں رنج نہیں ۔ بلکہ ہمیں رنج دو وجہ سے ہے ۔ ایک وجہ تو یہ ہے ۔ کہ ہم نے

گورنمنٹ کے ساتھ دوستی

کی ۔ ظاہر و باطن دوستی کی ۔ مگر گورنمنٹ نے اس کے صلہ میں بغیر تحقیق کئے ہم پر ایک خطرناک الزام لگا دیا ۔ پس ہمارے غصہ کی مثال بالکل وہی ہے ۔ جو منصور کی تھی ۔ کہا جاتا ہے ۔ کہ جب انہیں دار پر لٹکایا گیا ۔ تو ان پر لوگوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے ۔ مگر وہ ہنستے جاتے ۔ اور کسی کا پتھر لگنے پر کوئی رنج محسوس نہ کرتے ۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے ۔ کہ انہیں جس قدر تکلیف پہونچ رہی ہے ۔ سب

خدا تعالےٰ کی خاطر

ہے ۔ اس موقعہ پر شبلی علیہ الرحمۃ نے جو ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں ۔ اپنی محبت جتلانے کے لئے ایک گلاب کا پھول اٹھایا ۔ اور منصور کی طرف پھینکا ۔ اس پھول کا لگنا تھا ۔ کہ

منصور رو پڑے

شبلیؒ نے پوچھا ۔ پتھروں سے تو آپ نے کوئی تکلیف محسوس نہ کی ۔ مگر ایک پھول کے لگنے پر آپ رو پڑے ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ انہوں نے کہا ۔ میں ان پتھروں سے خوش تھا ۔ کیونکہ یہ پتھر پھینکنے والے نابینا تھے ۔ مگر اے شبلی "تم تو میرے دوست تھے اور تم مجھے خوب جانتے تھے ۔ تمہارے پھول نے مجھے ان پتھروں سے زیادہ تکلیف دی ہے ۔ اسی طرح ہم نے ابتدائے سلسلہ سے

گورنمنٹ کی وفاداری

کی ہم ہمیشہ یہ فخر کرتے رہے ۔ کہ ہم ملک معظم کی وفادار رعایا ہیں

کئی ٹوکرے خطوط کے

ہمارے پاس ایسے ہیں ۔ جو میرے نام ۔ یا میری جماعت کے سیکرٹریوں یا افرادِ جماعت کے نام ہیں ۔ جن میں گورنمنٹ نے ہماری جماعت کی وفاداری کی تعریف کی ۔ اسی طرح ہماری جماعت کے پاس

کئی ٹوکرے تمغوں کے

ہونگے ۔ ان لوگوں کے تمغوں کے جنہوں نے اپنی جانیں گورنمنٹ کے لئے فدا کیں ۔ یہ اتنے ٹوکرے ہیں ۔ کہ ایک افسر کے وزن سے بھی ان کا وزن زیادہ ہے ۔ مگر ان

تمام خدمات کے بعد

اس تمام ادعائے وفاداری کے بعد ۔ اور اس تمام ثبوتِ وفاداری کے بعد گورنمنٹ نے بلا وجہ اور بغیر کسی حق کے ۔ بغیر اس کے کہ وہ

انصاف اور عدل

کے ماتحت فیصلہ کرتی ۔ اندھا دھند اپنا قلم اٹھایا ۔ اور ہمیں باغی اور سلطنت کا تختہ الٹ دینے والا ۔ اور سول ڈس اوبیڈینس کا مرتکب قرار دے دیا ۔ پس ہمیں شکوہ ہے ۔ کہ وہ حکومت جو آج سے تین ماہ پہلے یہ کہا کرتی تھی ۔ کہ ہم ہندوستان کی بہترین وفادار جماعتوں میں سے ایک جماعت ہیں ۔ اس نے ہم پر اس جرم کا الزام لگایا ہے ۔ جس جرم کا مقابلہ ہم ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ۔

پس ہمیں گورنمنٹ کے اس فعل پر شکوہ ہے اس لئے کہ وہ اس بادشاہ کے نمائندوں کی طرف سے ہے ۔ جس کی وفاداری پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ فخر کیا ۔ جس کی حکومت میں رہنے پر آپ نے فخر کیا ۔ اور جس حکومت کی وفاداری پر ہم آجتک فخر کرتے چلے آئے ۔ اس کے ہوتے ہوئے آج ہم کس طرح

کانگرسیوں کو

یہ کہہ سکتے ہیں ۔ کہ گورنمنٹ عدل و انصاف کو قائم رکھتی ہے ۔ اس نے ہماری

زباں بندی

کی ۔ صرف چوبیس اکتوبر تک نہیں ۔ بلکہ جب تک یہ حکم موجود ہے اس وقت تک گورنمنٹ کی تعریف ہمارے دل نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ گورنمنٹ نے ناجائز اور غلط ایک قانون کا ہم پر استعمال کیا ۔ بالکل ممکن ہے ۔ ہز ایکسیلنسی گورنر کو اس کی اطلاع نہ ہو ۔ بالکل ممکن ہے ۔ گورنمنٹ کے بعض اور ذمہ وار عہدہ داروں کا اس میں کوئی دخل نہ ہو ۔ بالکل ممکن ہے ۔ کہ یہ صرف ایک ہی افسر کی کارروائی ہو ۔ مگر چونکہ

گورنمنٹ کے نام پر

یہ کام کیا گیا ہے ۔ اس لئے ہمیں شکوہ ہے ۔ کہ ہم پر وہ ظلم کیا گیا ۔ جس کے ہم مستحق نہیں تھے ؛

پھر اس حکومت کی طرف سے اور اس بادشاہ کے نمائندوں کی طرف سے یہ سلوک کیا گیا ۔ جس کی رعایا ہونے پر ہم ہمیشہ فخر کرتے رہے ۔ پس ہماری مثال بالکل منصور کی طرح ہے ۔ اور گورنمنٹ کی شبلی کی طرح ۔ مگر یہ صرف مثال ہی ہے ۔ ورنہ گورنمنٹ نہ شبلی کی طرح عارف ہے ۔ اور نہ ہمیں منصور کی طرح دار پر کھینچا گیا ہے ۔ یہ صرف دوست کی طرف سے تکلیف پہونچنے کی ایک مثال ہے ؛

پھر

دوسری وجہ

ہمارے شکوہ کی یہ ہے ۔ کہ گورنمنٹ نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا ہے ۔ جس پر چلنے سے فساد برپا ہوتا ۔ اور ملک کا امن برباد ہوتا ہے ۔ اگر پُر امن شہریوں ۔ وفادار رعایا ۔ اور خدمت گزار باشندگان ملک کو اس طرح ڈس اوبیڈینس کا مرتکب قرار دیا جائے ۔ اگر جائز کاموں کے لئے اپنے

مقدس مقامات

کی طرف آنے والوں کے راستہ میں اس طرح روکاوٹ ڈالی جائے تو بتلاؤ اس ملک میں رہنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے ۔ پس اگر ہم اس کا ازالہ نہ کریں ۔ تو ہمیں خطرہ ہے ۔ کہ یہ فتنہ بڑھتا چلا جائیگا اور وہ دلیل جس سے ہم کانگرسیوں کو قائل کیا کرتے تھے ۔ باطل ہو جائے گی ۔ ہم ہمیشہ کانگرسیوں سے یہ کہا کرتے ۔ کہ گورنمنٹ

قانون کی پابندی

کرتی ۔ اور انصاف کو قائم رکھتی ہے ۔ مگر اس واقعہ کو سنکر کون شخص ہے جو یہ کہہ سکے ۔ کہ گورنمنٹ نے قانون کی پابندی کی ۔ میں اس بات پر تیار ہوں ۔ کہ

ایک انگریز جج

کو مقرر کیا جائے ۔ اور اس کے سامنے ان تمام واقعات کو رکھا جائے پھر اگر وہ ان تمام واقعات پر غور کر کے کہدے ۔ کہ اس میں ہماری غلطی ہے ۔ تو ہم اسے تسلیم کر لیں گے ۔ اور اگر وہ یہ کہہ دے ۔ کہ اس میں

گورنمنٹ کی غلطی

ہے ۔ تو ہمیں یہ امید کرنے کا حق ہے ۔ کہ گورنمنٹ بھی یہ کہے ۔ کہ

اس سے غلطی ہوئی۔ ہم کانگرسیوں کی طرح یہ مطالبہ نہیں کرتے۔ کہ

ایک آزاد کمیشن

مقرر کیا جائے۔ جس میں گورنمنٹ کا کوئی افسر شامل نہ ہو۔ نہ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ایسا کمیشن مقرر کیا جائے جس میں آدھے احمدی اور آدھے انگریز آفیسرز ہوں۔ نہ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ کوئی ایسا کمیشن مقرر ہو۔ جو ہماری رائے پر مقرر ہو۔ بلکہ میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کہ اگر ایک انگریز جج مقرر کر دیا جائے۔ تو ہم اپنا ریکارڈ اس کے سامنے رکھ دیں گے۔ اور گورنمنٹ بھی اپنا ریکارڈ اس کے سامنے رکھ دے۔ پھر اگر وہ کہہ دے۔ کہ یہ ہماری غلطی ہے۔ تو ہم اسے ہر وقت تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر وہ کہے۔ کہ گورنمنٹ کی غلطی ہے۔ تو اسے بھی اپنی غلطی کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ میں جج کی شرط اس لئے لگاتا ہوں۔ کہ

ججوں کی تربیت

اس رنگ میں ہوتی ہے۔ کہ وہ ہر معاملہ کو قضائی رنگ میں دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں ؛

اگر اس معاملہ میں

اپیل کی اجازت

ہوتی تب بھی مجھے زیادہ غصہ نہ آتا۔ کیونکہ میں سمجھتا۔ کہ سلسلہ کی عزت کی حفاظت کے لئے ہم ہائی کورٹ میں اپیل کریں گے اور چونکہ بہر حال دنیوی اصول کے مطابق آخری فیصلہ انسانوں نے ہی کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ہائی کورٹ ہمارے خلاف فیصلہ کرتی۔ تو میں سمجھتا۔ کہ معاملہ اتنا صاف نہیں۔ جتنا کہ ہم اسے سمجھتے تھے۔ اور گو ہمارے دل اپنی صداقت کے ہی قائل رہتے۔ لیکن بہر حال ہائی کورٹ کے فیصلہ کے بعد ہم اس پر خاموشی اختیار کر لیتے۔ لیکن جس

قانون کے ماتحت

بلاوجہ مجھے باغی اور حکومت کا تختہ الٹنے والا قرار دیا گیا ہے۔ اس میں ہائی کورٹ کے پاس اپیل کی کوئی راہ نہیں کھلی رکھی گئی ؛

میں جانتا ہوں۔ کہ میرے دل میں ملک معظم کے متعلق کیا جذبات ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ کی وفاداری اور اس کی اطاعت کے متعلق میرے کیا خیالات ہیں۔ میں ہر اس قسم اور ہر اس

بھیانک سے بھیانک لعنت

کو اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ جو سنگدل سے سنگدل انسان کو بھی ڈرانے والی ہو۔ کہ یہ الزام جو ہم پر لگایا گیا۔ جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔ ہم ہمیشہ ملک معظم کی وفادار رعایا رہے۔ ہمیشہ امن پسندی اور اطاعت شعاری ہمارے مذہب کی تعلیم ہے۔ سول ڈس اوبیڈی ینس کا کبھی واہمہ بھی ہمارے دل میں نہیں گزرا۔ اور نہ گزر سکتا ہے۔ کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم ہمیں اس سے روکتی ہے۔ پس اگر

ہائی کورٹ کا فیصلہ

ہمارے خلاف ہوتا۔ تب بھی گو دل میں میں یہی سمجھتا۔ کہ ہم حق پر ہیں۔ لیکن چونکہ معاملات کو ایک جگہ ختم کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے میں اس امر کو چھوڑ دیتا۔ اور میں اب بھی آمادہ ہوں کہ

ایک انگریز جج

کے سامنے اپنے تمام کاغذات کو رکھوں۔ اور پھر وہ جو فیصلہ کرے۔ اسے منظور کر لوں۔ بلکہ انگریز جج کی خصوصیت نہیں میں اس امر کے لئے بھی تیار ہوں۔ کہ

مسلمانوں میں سے

کسی ایسے شخص کو جس پر حکومت کو بھی اعتبار ہو۔ اور ہمیں بھی مقرر کر دیا جائے۔ کہ وہ قضائی نقطۂ نگاہ سے اس امر میں فیصلہ کرے۔ اور میں اس کے فیصلہ کو تسلیم کر لوں گا۔ میں سمجھتا ہوں شائد

ہز ایکسیلنسی گورنر

کا نام لینا ان کی شان کے خلاف ہو۔ اس لئے میں ان کا نام نہیں لے سکتا۔ لیکن حق یہ ہے۔ کہ گو وہ اس اگزکٹو کے افسر اعلےٰ ہیں۔ جس نے یہ حکم دیا ہے۔ پھر بھی اگر وہی کہیں۔ کہ میں ہی اس قضیہ کا قضائی فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تو میں انہی پر اس جھگڑے کا فیصلہ چھوڑنے پر آمادہ ہوں ؛

پس ہماری طرف سے کوئی جھگڑا نہیں۔ بلکہ اس معاملہ میں میں نے گزشتہ جمعہ ایک اعلےٰ سرکاری افسر کی اس تحریک پر کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کی جائے۔ ایک خاص آدمی پچھلے جمعہ کے خطبہ سے پہلے ان کی طرف بھیجا۔ اور اسی وقت میں نے انہیں لکھدیا۔ کہ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا۔ جو جلد بازی پر مبنی ہو۔ میں پہلے گورنمنٹ پنجاب کے پاس اپیل کرونگا اور اگر گورنمنٹ پنجاب نے توجہ نہ کی۔ تو گورنمنٹ آف انڈیا کو توجہ دلاؤں گا۔ اور اگر اس نے بھی توجہ نہ کی۔ تو ہوم گورنمنٹ کے پاس اپیل کروں گا۔ اور اگر اس نے بھی اس امر پر کوئی توجہ نہ کی۔ تو میں انگلستان کی پبلک اور دوسری تمام برٹش ایمپائر کی پبلک کے سامنے یہ معاملہ پیش کروں گا۔ اور اگر یہ سب التماس کی طلب اور اپیلیں رائگاں گئیں۔ تو اس وقت میں وہ تدابیر اختیار کروں گا۔ جو

اپنی عزت اور سلسلہ کی حفاظت

کے لئے میرے نزدیک ضروری ہونگی۔ مگر ہم کسی صورت میں بھی قانون شکنی نہیں کریں گے۔ اور کسی صورت میں بھی اپنے مقررہ اصول کو نہیں چھوڑیں گے بے شک یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہوئے کس طرح اپنی عزت کی حفاظت کی جائے گی۔ مسٹر گاندھی جو صرف تشدد کے مخالف ہیں۔ ان کی عدم تشدد کی پالیسی بھی بہت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تو یہ سمجھنا تو اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ کہ ہم قانون شکنی بھی نہ کریں گے۔ اور اپنے گزشتہ اصولوں کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ پھر بھی اپنی ہتک کا ازالہ کرا کے چھوڑیں گے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے ایسے مقام پر کھڑا کیا ہو۔ جو

دُنیا کی اصلاح کا مقام

ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھیوں سے زیادہ عقل دیتا۔ اور اس کی تدابیر کو دنیا میں خود کامیاب کیا کرتا ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ کو آخر تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ اس کی غلطی تھی۔ اور ہم حق پر تھے۔ باوجودیکہ ہم نہ تشدد کریں گے۔ اور نہ سول نافرمانی۔ باوجودیکہ ہم گورنمنٹ کے قانون کا احترام کریں گے۔ باوجود اس کے کہ ہم ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کریں گے۔ جو احمدیت نے ہم پر عائد کی ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ ہم ان تمام فرائض کو پورا کریں گے۔ جو خدا۔ اور اس کے رسول نے ہمارے لئے مقرر کئے۔ پھر بھی ہماری سکیم کامیاب ہو کر رہے گی ؛

کشتیٔ احمدیت کا کپتان

اس مقدس کشتی کو پُر خطر چٹانوں میں سے گزارتے ہوئے سلامتی کے ساتھ اسے ساحل پر پہنچا دے گا۔ یہ میرا ایمان ہے اور میں اس پر مضبوطی سے قائم ہوں۔ جن کے سپرد الٰہی سلسلہ کی قیادت کی جاتی ہے۔ ان کی عقلیں

اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے تابع

ہوتی ہیں۔ اور وہ خدا تعالےٰ سے نور پاتے ہیں۔ اور اس کے فرشتے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اس کی رحمانی صفات سے وہ مؤید ہوتے ہیں۔ اور گو وہ دنیا سے اٹھ جائیں۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کے پاس چلے جائیں۔ مگر ان کے جاری کئے ہوئے کام نہیں رکتے۔ اور اللہ تعالےٰ انہیں

مفلح اور منصور

بناتا ہے۔ یہ مت گمان کرو۔ کہ میرے اس امر کے کرنے میں مبادا وہ سکیم تمہارے سامنے نہ آئے۔ کیونکہ کیا پتہ ہے۔ کہ میں اگلے جمعہ تک زندہ بھی رہتا ہوں۔ یا نہیں۔ پس میں آج یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ وہ سکیم جو میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کبھی غائب نہیں ہو سکتی۔ بغیر اس کے کہ تمہیں اس کا علم ہو۔ وہ تمہارے پاس پہونچ چکی ہے اور بغیر اس کے کہ وہ تمہیں معلوم ہو۔ بلکل محفوظ ہو چکی ہے۔ اور

کسی انسان کی موت

اس کو کسی صورت میں بھی مٹا نہیں سکتی۔ بہر حال جماعت احمدیہ جلد۔ یا بدیر اس معاملہ میں غالب آکر رہے گی۔ اور اپنی صداقت دنیا سے منوا کر رہے گی ؛

میں پھر اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے کہتا ہوں کہ ہم گورنمنٹ سے لڑائی نہیں کریں گے۔ اور نہ کبھی قانون شکنی کریں گے۔ بلکہ ہم صرف

اپنی ہتک کا ازالہ

کرنا چاہتے ہیں۔ اسی حد تک ہماری سعی رہے گی۔ دوسرے کی ہتک کرنے کا نہ ہمارا ارادہ ہے۔ اور نہ ہم اسے جائز سمجھتے ہیں مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ حکومت کے بعض افسروں کو بھی غلطی لگی ہے۔ اور وہ خیال کرنے لگے ہیں۔ کہ شائد میں نان کوآپریشن جیسی کوئی تحریک کرنے والا ہوں۔ ادھر جماعت کے بعض لوگوں نے بھی میری سکیم کو نہیں سمجھا۔ گو بعض نے حیرت انگیز طور پر سمجھا ہے۔ حتےٰ کہ انہوں نے اپنے خطوط میں

میری سکیم کا ڈھانچہ

اختصاراً بیان کر دیا ہے۔ لیکن بعض نے ناواقفیت سے ایسی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ جو کسی صورت میں بھی درست نہیں ہو سکتیں مثلاً ایک شخص نے لکھا ہے کہ ہمیں کھدر پہننا شروع کر دینا چاہئے میں سمجھتا ہوں۔ کہ بے شک اگر انگریزی کپڑے کا بائیکاٹ کیا جائے۔ تو انگلستان کو ہم پندرہ لاکھ روپیہ کا سالانہ نقصان آسانی سے پہنچا سکتے ہیں۔ اور کانگرس سے ملکر ہم کام کریں۔ تو یقیناً انگریزی مال کے بائیکاٹ کی سکیم بہت زیادہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ مگر یہ امر

ہماری تعلیم کے خلاف

ہے۔ کہ ہم کسی ایسے شخص کا بائیکاٹ کریں۔ جس کا قصور نہ ہو۔ اور گو اس ذریعہ سے بھی ہم انگلستان کو اپنے حقوق کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ

مذہبی لحاظ سے

یہ ہمارے لئے جائز نہیں۔ اس لئے یہ طریق بالکل نامناسب ہے۔ علاوہ ازیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ پنجاب کا ایک افسر غلطی کرے۔ مگر لٹھ لنکا شائر کے لوگوں پر مارا جائے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ کیسا ہی خطرناک موقع پیش آئے۔ ہم

اپنی عقل کو قائم

رکھیں۔ اور عدل کو کسی لمحہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں پس یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔ کہ پنجاب کا ایک آدمی ہماری ہتک کرتا ہے مگر لٹھ لنکا شائر کے آدمیوں کو مارا جاتا ہے۔ ہاں یہ ہمارا حق ہے۔ اور اگر ہم ایسا کریں۔ تو جائز ہوگا۔ کہ پہلے ہم

حکومت پنجاب

کے پاس اپیل کریں۔ اور اگر وہ نہ سنے۔ تو

حکومت ہند

کے پاس اپیل کریں۔ اور اگر وہ بھی نہ سنے۔ تو

ہوم گورنمنٹ

(Home Government) کے پاس اپیل کریں۔ اور اگر وہ بھی نہ سنے۔ تو

انگلستان کے باشندوں

کے پاس اپیل کریں۔ اور اگر وہاں بھی شنوائی نہ ہو۔ تو ہم انہیں کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم نے ہر آئینی ذریعہ سے اپنی بات تمہارے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ ہم نے اپنے زخموں کو ننگا کر کے تمہارے سامنے رکھدیا۔ لیکن تم پھر بھی ہمارے غم میں شریک نہ ہوئے۔ پس اب تم بھی گورنمنٹ کے اس فعل میں شریک ہو۔ لیکن اس صورت میں بھی ہم بائیکاٹ اور دوسری تحریکات کے متعلق

اپنے قائم شدہ رویہ

کو نہیں بدلیں گے۔ اور قانون شکنی کے نزدیک نہیں جائیں گے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ بعض صورتیں ایسی ہیں۔ کہ جو بائیکاٹ کے مشابہ ہیں۔ اور خاص حالات میں جائز ہیں۔ مگر وہ

دور کی بات

ہے۔ اور جب تک وہ وقت نہ آئے۔ اس وقت تک اگر

کسی دوست کے ذہن میں

کوئی ایسی بات آئے۔ جو جماعت کے لئے یا میرے لئے قابلِ عمل ہو۔ تو وہ میرے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ آخری فیصلہ ہمارے لئے نہ ہو۔ ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم ظالم بنکر ایک فعل کا ارتکاب کریں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے کہا۔ یا رسول اللہ اگر میں اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھوں۔ تو کیا میں اس کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اگر تو اسے قتل کریگا تو تو قاتل سمجھا جائے گا۔ اور تیرے ساتھ وہی سلوک کیا جائیگا جو قاتلوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ سزا دینا حکومت کا کام ہے۔ تیرا نہیں۔ اسی طرح ہمارا یہ کام نہیں۔ کہ ہم

اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی تجاویز

کے خلاف کوئی اور تجاویز اپنے لئے اختیار کرلیں۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کرینگے۔ تو ہم ظالم ہو جائیں گے۔ اور

اللہ تعالےٰ کی نصرت

ہمارے ساتھ نہ رہے گی۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کی مدد سے بھی ہم محروم ہوگئے۔ تو ایسی کسی حکومت کے مقابلہ میں جس کے پاس ہوائی جہاز توپیں۔ بندوقیں تلواریں اور لاکھوں سپاہی ملازم ہیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ گاندھی جی

۳۳ کروڑ افراد

لے کر اٹھے تھے۔ لیکن وہ کچھ نہ کر سکے۔ ہماری جماعت گو گورنمنٹ کی مردم شماری کے رو سے پنجاب میں ۵۶ ہزار ہے۔ اگر سارے ہندوستان کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے دوگنا بھی کر لیا جائے۔ اور پھر اگر ہمارے اندازے کے مطابق ہندوستان کی جماعت کو اڑھائی تین لاکھ سمجھ لیا جائے۔ تب بھی ۳۳ کروڑ افراد جس جگہ فیل ہو چکے ہوں۔ وہاں یہ تعداد کیا کر سکتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ گاندھی جی کے ساتھ مسلمان نہ تھے۔ یا تھوڑے تھے۔ اس امر کو بھی مدنظر رکھ لیا جائے۔ تو موجودہ مردم شماری کے رو سے ہندوستان کی آبادی ۳۵ کروڑ ثابت ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کی آبادی ۹ کروڑ چونکہ اکثر عیسائی اور کچھ ہندو بھی گاندھی جی کے ساتھ نہ تھے اگر دس کروڑ لوگ اس مردم شماری سے نکال دیئے جائیں۔ تو ۲۵ کروڑ آدمی باقی رہ جاتے ہیں۔ یہی تعداد مانتے ہوئے بھی میں کہتا ہوں۔ کہ جہاں ۲۵ کروڑ آدمی ایک کام نہ کر سکا وہاں اڑھائی تین لاکھ آدمی کیا کام کر سکتا ہے۔ گو میرے نزدیک گاندھی جی اب جس سکیم کو چلانا چاہتے ہیں۔ وہ

پہلے سے بہت اعلےٰ

ہے۔ پہلے ان کی سکیم تو اچھی ہوتی تھی۔ مگر اس کے پورا کرنے کے سامان ناقص ہوتے تھے۔ اب کے انہوں نے آلات کو درست کرنے کی طرف توجہ کی ہے۔ اور بہت عمدہ اصول تجویز کئے ہیں۔ اور میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر وہ جوش میں آ کر اپنا کام خراب نہ کریں۔ تو اب ان کے لئے فتح پانا ممکن ہو گیا ہے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ بظاہر حالت جو اس وقت لوگ سمجھتے ہیں یہی ہے۔ کہ کانگرس شکست کھا گئی ہے۔ پس اگر مسٹر گاندھی پچیس کروڑ آدمیوں کی مدد سے ناکام رہے۔ تو ہم انسانی تدابیر سے کس طرح جیت سکتے ہیں۔ مثل مشہور ہے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ مگر جس طرح یہ مثال ہے۔ ایک اور بھی مثال ہے۔ کہ جانور کس کھونٹے پر ناچے۔ جانور کھونٹے والے پر ناچا کرتا ہے گھوڑا جب ہنہناتا ہے۔ تو وہ اپنے آقا کے دعوے پر ہنہناتا ہے ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ

ہمارا ایک آقا ہے

جس نے ہمیں دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا۔ پس اسی کا کھونٹا ہے جس کے سہارے ہم کھڑے ہیں۔ ورنہ ہماری ہستی ہی کیا ہے۔ ہم

دنیا کی نگاہوں میں

ذلیل اور حقیر ہیں۔ دولت ہمارے پاس نہیں۔ ظاہری علم ہمارے پاس نہیں۔ جتھہ ہمارے پاس نہیں۔ بلکہ ایک پہلوان کے مقابلہ میں جس طرح

دودھ پیتا بچہ

ہوتا ہے۔ اور وہ جب چاہے اس کی گردن مروڑ سکتا ہے۔ اسی طرح ہم دنیا کے مقابلہ میں ہیں۔ مگر ہم جس چیز پر نازاں اور مطمئن ہیں۔ وہ

خدا کی مدد

ہے اور خدا کی مدد ظالموں کو نہیں آیا کرتی۔ قرآن کریم میں متواتر بیان کیا گیا ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ پس اگر ہم بھی ظالم بن جائیں تو کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنی کامیابی چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم

اپنے مذہبی اصول کی پابندی

کریں۔ جن میں سے ایک اہم اصل یہ ہے کہ ہم قانون شکنی نہ کریں۔ کسی کی جان اور مال پر حملہ نہ کریں۔ ناجائز الزام نہ لگائیں۔ اور جھوٹ نہ بولیں۔ ان ساری باتوں کے باوجود ہم انتہائی اقدام اس صورت میں کریں گے۔ اگر ہماری

صلح اور امن پسندی کی تمام کوششیں

رائیگاں چلی گئیں۔ ورنہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے ہم تو یہاں تک تیار ہیں کہ ایک انگریز جج مقرر کیا جائے۔ اور اگر وہ فیصلہ کردے کہ ہم غلطی پر ہیں تو گو دلوں میں ہم اس کو صحیح نہیں مانیں گے مگر اسی وقت ہم اپنے ہتھیار ڈالدیں گے اور سمجھ لیں گے کہ جج نے جو فیصلہ کرنا تھا کر دیا۔ یہی قانون ہے جو دنیا میں رائج ہے۔ جج صحیح بھی فیصلے کرتے ہیں اور غلط بھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ میں ایک شخص کو کوئی چیز دلوا دوں۔ حالانکہ وہ اس کا حق دار نہ ہو۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے

فیصلہ میں غلطی

کر سکتے ہیں تو ایک مومن کیوں غلطی نہیں کر سکتا۔ اور پھر ایک غیر مومن غلطی سے کیونکر مبرا ہو سکتا ہے۔ لیکن بہرحال فیصلہ کے لحاظ سے ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ جو کچھ وہ کہے اسے مانیں۔ خواہ ہمارے دل اس کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اس وقت ہم تسلیم کرلیں گے کہ گورنمنٹ نے جو لکھا وہ غلط فہمی کے ماتحت لکھا اور وہیں بات ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر گورنمنٹ ہماری کوئی بات بھی تسلیم نہ کرے اور ہمارے دوست ہمیں یہی نصیحت کرتے رہیں۔ کہ تم خاموشی سے بسر کرتے چلے جاؤ تو ہمارا حق ہوگا ان سے یہ بات پوچھنے کا کہ وہ ہمیں کوئی تجویز بتا دیں جس سے ہم

جماعت کی ہتک کا ازالہ

کر سکیں۔ اب میں بعض وہ واقعات بیان کرتا ہوں جن سے ہمیں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گورنمنٹ پنجاب کے افسران میں سے کوئی افسر ایسا ہے۔ جو ہمارے

سلسلہ کو بلاوجہ نقصان

پہنچانا چاہتا اور اسے دنیا میں بدنام کرنا چاہتا ہے میں نے پچھلے جمعہ میں بتایا تھا۔ کہ اگر یہی ایک واقعہ ہوا ہوتا تو مجھے اتنا برا نہ لگتا جتنا کہ اب لگا۔ اور یہ بھی میں نے بتایا تھا۔ کہ گورنمنٹ کو دوست سمجھتے ہوئے ہمارے لئے یہ

اچنبھے کی بات

تھی کہ ہمیں باغی قرار دیا گیا۔ لوگ اگر اس کو نہ سمجھ سکیں تو وہ معذور ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں میں گورنمنٹ کی وفاداری کا وہ جذبہ نہیں جو ہمارے دلوں میں ہے۔ جب میں بچہ تھا اور ابھی میں نے ہوش ہی سنبھالا تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے گورنمنٹ کی وفاداری کا میں نے حکم سنا اور اس حکم پر اس قدر پابندی سے قائم رہا۔ کہ میں نے اپنے گھر کے دوستوں سے بھی اس بارے میں اختلاف کیا۔ حتیٰ کہ اپنے

جماعت کے لیڈروں سے اختلاف

کیا۔ چنانچہ کانپور کی مسجد کے واقعہ کے متعلق الفضل اور پیغام صلح میں جو جنگ ہوا وہ اسی کا نتیجہ تھا۔ پس میں نے گورنمنٹ کی حمایت کے لئے اپنے عزیزوں سے لڑائی کی۔ اور اپنی جماعت کے لیڈروں سے اختلاف کیا۔ میری عمر اس وقت ۲۴ سال تھی۔ میں جماعت کا کوئی افسر نہ تھا۔ کہ اس پر میرا اثر ہوتا اس زمانہ میں جماعت کو دھوکا دے دے کر ورغلایا گیا۔ اور اسے میرے خلاف اکسایا گیا مگر اس تعلیم کے ماتحت کہ گورنمنٹ کے راستہ میں مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ میں نے

بڑوں کا مقابلہ

کیا اور جماعت کے دوستوں پر زور دیا۔ کہ ہمیں گورنمنٹ کی وفاداری کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جماعت میں اپنی پوزیشن کو نہایت کمزور کر لیا۔ مگر آج مجھ پر یہ اتہام لگایا گیا ہے کہ میں جماعت میں گورنمنٹ کے خلاف جوش پھیلا رہا ہوں بے شک ایک کانگرسی ہم کو پاگل سمجھے گا۔ کیونکہ اس کے نزدیک گورنمنٹ کا تختہ الٹ دینے والا۔ اور ڈس اوبیڈینس کا مرتکب ہونے والا

ایک قابل فخر شخص

ہے۔ مگر ہم اسے اپنے لئے عار سمجھتے ہیں۔ وہ اگر پبلک کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں تو یہ کہہ کر کہ اے لوگو میں وہ ہوں۔ جس نے گورنمنٹ کا تختہ الٹنے کے لئے فلاں فلاں کام کیا میں وہ لیڈر ہوں جو ڈس اوبیڈینس کا مرتکب ہوا۔ پس وہ اپنے افعال پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے یہ بات سمجھنا ناممکن ہے۔ کہ سول ڈس اوبیڈینس یا حکومت کا تختہ الٹ دینے کے الزام میں ہتک کیونکر ہو گئی۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ برطانیہ کے افسر بھی اس امر کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ اس الزام میں کوئی ہتک ہوتی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی حکومت سے وفاداری کے جذبہ کو مذہبی رنگ میں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اور ان کے دلوں میں بھی گورنمنٹ کی وفاداری کا وہ جذبہ نہیں جو ہمارے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ایک معمولی بات ہے۔ مگر میں ڈس اوبیڈینس کے الزام کو

اپنے لئے ایک بدترین گالی

تصور کرتا ہوں۔ پس ہماری عجیب حالت ہے کہ کانگرسی تو ہمیں یہ کہتے ہیں کہ تم پاگل ہو گئے۔ گورنمنٹ نے تمہیں انعام دیا۔ اور تمہاری یہ تعریف کی کہ تم اس کے تختہ کو الٹنے والے ہو مگر تم نے اس کی کوئی قدر نہ کی اور اسے اپنی ہتک تصور کرنے لگے۔ اور گورنمنٹ کے لوگ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ یہ

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

گویا ان کے نزدیک یہ کوئی اخلاقی یا مذہبی جرم ہی نہیں۔ پس ہمارے لئے یہ عجیب مصیبت ہے اور ہم حیران ہیں کہ اس کو سمجھائیں یا اس کو۔ میں نے بتایا تھا۔ کہ اگر صرف یہی ایک واقعہ ہوا ہوتا تو بھی میں کہہ سکتا کہ ؎

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

ہم نے اپنے سلسلہ کی حفاظت اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے بدترین گالیاں سنی ہیں اگر ان گالیوں میں ایک اس گالی کا بھی اضافہ ہو گیا تو کیا۔ مگر چونکہ اس کے آئندہ خطرات بہت سخت ہو سکتے تھے۔ اس لئے مجھے ضرورت پیش آئی۔ کہ یہ معاملہ میں اٹھاؤں۔ دوسرے یہ

ایک لمبی زنجیر کی آخری کڑی

ہے۔ جن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے بعض افسر ہمارے متعلق اس کے پاس جھوٹی رپورٹیں کرتے اور خلاف واقعہ باتیں پہنچا کر اسے ہمارے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ پس یہ اکیلا واقعہ نہیں بلکہ گورنمنٹ کی طرف سے سختی کا ایک لمبا سلسلہ ہے جو ہمارے متعلق ایک عرصہ سے جاری ہے اس زنجیر میں سے بعض واقعات ہز ایکسیلنسی گورنر کی اپنی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور چونکہ میں انہیں ملک معظم کا نمائندہ سمجھتا ہوں اس لئے میرے دل میں ملک معظم کا جو ادب ہے اس کی وجہ سے میں ان کا نام درمیان میں لانا نہیں چاہتا۔ اور اسی لئے حکام نے جو باتیں ان کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہیں۔ چونکہ انکی تحقیق کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں میں نے انہیں تسلیم نہیں کیا۔ اور اب بھی اگرچہ بعد کے واقعات نے

شبہات کا ایک لمبا سلسلہ

پیدا کر دیا ہے۔ میں انہیں صحیح قرار نہیں دے سکتا۔ اور چونکہ میں ان سے نہ براہ راست پوچھ سکتا ہوں اور نہ ہی وہ مجبور ہیں۔ کہ ایسے سوالات کا جواب دیں

پھر یہ امر بھی مد نظر ہے۔ کہ ہم نے ان کا ادب کرنا ہے اس لئے میں ان کے نام کو درمیان میں نہیں لا سکتا۔ اور اگر میں ان کا نام درمیان میں لاؤں۔ تو یہ میری

مذہبی تعلیم کے خلاف

ہوگا۔ اس لئے جب تک کوئی اخلاقی یا شرعی ضرورت مجھے مجبور نہ کرے۔ میں وُہ واقعات نظر انداز کرتے ہُوئے صرف وُہ باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو گورنمنٹ کے نام پر کی گئی ہیں اور جن میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر حکام نے ہمارے قیمتی وقت کو ضائع کیا۔ قادیان کے لوگ بھی شائد پُوری طرح نہ جانتے ہوں۔ اور باہر کے لوگ تو بالکل ہی نہیں جانتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ

قادیان کی زندگی

موجودہ زمانہ میں امن کی زندگی نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ جماعت کے کارکنوں کا کافی وقت پولیس مینوں اور مجسٹریٹوں سے جھگڑنے میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اور آج میں جماعت کو آگاہ کرتا ہُوں۔ کہ اگر یہی حالت بدستور قائم رہی تو آئندہ کوئی کام جماعت کا نہیں ہو سکے گا۔ ہمارے کارکنوں کی یہ

ہمت اور بہادری

تھی۔ بلکہ بہت بڑی قربانی تھی۔ کہ ان تمام جھگڑوں کے باوجود انہوں نے جماعت کا کام کیا۔ حالانکہ یہ واقعات ایسے ہیں۔ کہ ہماری تمام توجہ انہی کی طرف لگی رہتی ہے۔ پس جماعت کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کہ یا تو یہ روکیں وُہ اپنے راستہ سے دُور کرے۔ جو اس وقت ہمارے راستہ میں حائل ہو رہی ہیں۔ ورنہ جماعت کے تمام کام اس وقت تک بند رہیں گے۔ جب تک وُہ افسر نہ چلے جائیں۔ جو ہمارے

امن میں خلل اندازی

کا مُوجب ہو رہے ہیں۔ مگر میں اس اخلاص کا اندازہ کرتے ہُوئے جو مولوی عبد الرحمٰن صاحب شہید نے امیر عبد الرحمٰن کے وقت کابل میں دکھایا۔ اور اس اخلاص کا اندازہ کرتے ہُوئے جو سید عبد اللطیف صاحب شہید نے امیر حبیب اللہ کے وقت میں دکھایا۔ اور پھر اس اخلاص کا اندازہ کرتے ہُوئے جو مولوی نعمت اللہ صاحب شہید اور ان کے دو ساتھیوں نے امیر امان اللہ خان کے وقت میں دکھایا۔ اور پھر اس اخلاص کا اندازہ کرتے ہُوئے جو ہندوستان میں اور بیرون ہندوستان ہزاروں احمدیوں نے

سخت سے سخت تکالیف کے مقابلہ

دکھایا۔ امید رکھتا ہوں۔ کہ جماعت احمدیہ ایک منٹ کیلئے بھی یہ گوارا نہیں کرے گی۔ کہ اس کے کاموں میں خلل اندازی کی جائے۔ اور وُہ فرائض جو اللہ تعالےٰ نے اس پر عائد کئے ہیں۔ ان کی بجا آوری میں نقص واقع ہو۔ وُہ

ہر جائز قربانی

کرنے کے لئے تیار رہے گی۔ اور وُہ ملک معظم کی وفادار رعایا رہتے ہُوئے اس حق کو حاصل کر کے رہے گی جس کو آج پامال کیا جا رہا ہے ؛

اب میں

بعض وُہ واقعات

بیان کرتا ہوں۔ جو اس سلسلہ میں بیان کرنے ضروری ہیں۔ اور چونکہ ڈیڑھ بجے تک میں ایک دوست کو خط لکھتا رہا ہوں۔ اور اس کے بعد صرف دس منٹ میں یہ واقعات نوٹ کئے ہیں۔ اس لئے میں ان میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھ سکا۔

پہلا واقعہ

میں اس جگہ کا ہی لے لیتا ہوں۔ جسے احراری لوگ مسجد کہتے ہیں۔ حالانکہ وُہ قبلہ رُخ نہیں۔ وُہ شائد ڈیڑھ مرلہ کے قریب جگہ ہے۔ میں نے خود اسے دیکھا ہے۔ قریباً ایک کمرہ کے برابر زمین ہے۔ وُہ زمین احرار کے نام سے یا احراریوں کی طرف سے کسی آدمی نے خریدی مجھے صحیح واقعہ معلوم نہیں۔ بہرحال اس تحریک کے سلسلہ میں یہ زمین خریدی گئی۔ اور اس کے خریدنے کے بعد چندہ جمع کرنے کی نیت سے وہاں مسجد کے نام سے ایک چھوٹی سی عمارت بنانی شروع کر دی گئی۔ وہ جگہ سمال ٹاؤن کمیٹی کی حدود میں ہے۔ اور گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت

سمال ٹاؤن کمیٹی کی اجازت

کے بغیر کوئی شخص اس کے حلقہ میں عمارت کھڑی نہیں کر سکتا مگر وُہ چونکہ حُر ہیں۔ اور قانون کی پابندی سے آزاد۔ اس لئے انہوں نے اجازت لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور دیواریں کھڑی کرنی شروع کر دیں۔ اس تعمیر کے وقت پولیس کے آدمی باوردی اس جگہ پر موجود تھے۔ اس

قانون شکنی

کو دیکھ کر کمیٹی نے انہیں ممانعت کا نوٹس دیا۔ تو اسے لینے سے بھی انکار کر دیا۔ اور اُٹھا کر پھینک دیا۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس نے اسے اٹھایا۔ یہ سب کارروائی گورنمنٹ کے ایک تسلیم شدہ ادارہ کی طرف سے اور گورنمنٹ کے قانون کو پورا کرانے کے لئے ہُوئی۔ اور اس میں ہماری جماعت کا ایک ذرہ بھر بھی دخل نہ تھا۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ

کمیٹی کا نوٹس

پیش کرنے والا کلرک احمدی تھا۔ احراریوں نے شور مچا دیا۔ کہ احمدی ہم پر حملہ کر کے آگئے ہیں۔ اور ہمیں مسجد کی تعمیر سے روکتے ہیں۔ یہ سب کہانی بالکل جھوٹی تھی۔ احمدی حملہ آور ہو کر نہیں گئے۔ اور کسی نے ان کو مسجد بنانے سے نہیں روکا۔ سمال ٹاؤن کمیٹی گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت بنی ہُوئی ہے اور اسی کے ایک افسر نے گورنمنٹ کے بنائے ہُوئے قوانین کے ماتحت انہیں روکا مگر یہ روکنا کیا تھا۔ گویا

۱۸۵۷ء کا غدر

ہوگیا۔ کہیں سپرنٹنڈنٹ پولیس چلے آرہے ہیں۔ کہیں مجسٹریٹ علاقہ چلے آرہے ہیں۔ کہیں پولیس کے دُوسرے افسر دوڑے آرہے ہیں۔ گو ایک آفت تھی۔ جو آگئی۔ ناظر امور عامہ کو بلوایا گیا۔ اور ان سے بار بار پوچھا گیا۔ کہ یہ کیا ظلم اور اندھیر ہے جو یہاں ہو رہا ہے گورنمنٹ آگے ہی آپ لوگوں کے خلاف ہے۔ اب آپ نے یہ حرکت کر دی ہے۔ یہ ایسا معاملہ تھا۔ کہ ہماری جماعت کے افراد کے لئے اس کا سمجھنا بھی مشکل تھا۔ سمال ٹاؤن کمیٹی کا یہ کام تھا۔ اور اس نے جو کچھ کیا وُہ قانون کے اندر کیا۔

قانون کو توڑنے والے

احراری تھے مگر اسے رنگ یہ دیا گیا۔ کہ احمدیوں نے حملہ کر دیا۔ اور احمدیوں نے مسجد بنانے سے انہیں روک دیا۔ اور اس پر اتنا شور ڈالا گیا۔ کہ گویا ایک مصیبت تھی۔ جو ان پر آگئی ؛

ادھر

کارکنان سلسلہ

الگ مشکلات میں تھے۔ کہیں وُہ اپنے طور پر تحقیقات کر رہے تھے کہ کوئی احمدی وہاں تھا تو نہیں۔ کہیں آپس میں غور کر رہے تھے۔ کہ اس فتنہ کا کیا سدباب کیا جائے۔ لیکن سب طرف سے تحقیقات کے بعد یہی معلوم ہُوا۔ کہ وہاں سمال ٹاؤن کمیٹی کا کلرک گیا تھا۔ اور جب اس احمدی کلرک کے ساتھ وُہ لوگ سخت کلامی کے ساتھ پیش آئے۔ اور شور مچایا۔ تو کچھ راہ چلتے ہُوئے غیر احمدی ہندو اور کچھ احمدی بھی اکٹھے ہو گئے۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ سب احمدی بہرے کر دیئے جائیں۔ تاکہ اگر کہیں جھگڑا ہو۔ اور شور پڑے۔ تو وُہ آواز بھی نہ سُن سکیں۔ ہم نے تو

انگریزوں کے متعلق

بھی دیکھا ہے۔ کہ اگر کہیں شور ہو۔ تو وُہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ مگر یہ عجیب مصیبت تھی۔ کہ قانون احراریوں نے توڑا۔ حکم کمیٹی نے دیا۔ کھڑے شور سُن کر راہ گیر ہوئے۔ اور بلا یا اور دھمکایا احمدیہ جماعت کے کارکنوں کو جانے لگا۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس قسم کی زندگی

امن کی زندگی

ہے۔ سمال ٹاؤن کمیٹی گورنمنٹ کی بنائی ہُوئی ہے۔ اور احراری جب اس کے بنائے ہوئے ایک قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تو حکومت کا ہی ایک آدمی انہیں منع کرتا۔ اور اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ کہ وُہ قانون کی پابندی کریں۔

پس قانون کی پابندی کرانے والی سمال ٹاؤن کمیٹی اور قانون کو توڑنے والے احراری۔ مگر الزام ہمارے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ اور ہمارے آدمیوں کو بلا بلا کر ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے۔ ہم بہتیرا کہتے ہیں۔ کہ نہ ہم سمال ٹاؤن کمیٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ ہم نے قانون بنایا۔ اور نہ ہی اس قانون کو توڑا۔ کچھ تو بتاؤ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

قانون شکن احراری

ہیں۔ مگر انہیں کچھ نہیں کہا جاتا۔ اور جن کا اس سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے احراریوں سے کیوں یہ سلوک کیا۔ کیا کسی شخص کے دماغ میں بھی یہ بات آ سکتی ہے۔ کہ یہ جو کچھ کیا گیا قانون کے مطابق کیا گیا۔ اور

احمدیوں پر ظلم

نہیں کیا گیا۔ اور ناواجب دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ خیر شور و شر کے بعد جب جماعت کے کارکنوں نے ثابت کر دیا۔ کہ اس بارہ میں ان کا کوئی دخل ہی نہیں۔ تو اب حکام نے

ایک اور کروٹ بدلی

اور یہ کہنا شروع کیا۔ کہ چونکہ کمیٹی میں تمہاری اکثریت ہے۔ اس لئے تم ہی اس امر کے ذمہ دار ہو۔

تم ممبران کمیٹی کو مجبور کرو

کہ احراریوں سے درخواست منگوا کر اور فوری اجلاس کر کے احرار کو مسجد کی تعمیر کی اجازت دیں۔

اب کوئی انصاف پسند جج

گورنمنٹ مقرر کر کے دیکھ لے۔ معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا۔ کہ احمدیوں کو ناواجب طور پر ستایا۔ اور دکھ دیا گیا۔ اور ان کے امن میں خلل ڈالا گیا۔ آخر یہ بھی کہا گیا۔ کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا ارادہ ہے۔ کہ اگر فوراً اس فتنہ کو دور نہ کیا گیا۔ تو دونوں فریق کی دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت ضمانتیں لی جائیں گی۔ شائد جب سے

لوکل سلف گورنمنٹ کا قانون

بنا ہے۔ یہ نہ ہوا ہو گا۔ کہ کمیٹی اپنے اختیارات سے ایک کام کرے۔ اور ۱۰۷ دفعہ ما امن شہریوں پر لگانے کی دھمکی دی جائے یہ سلوک یہاں احرار سے روا رکھا گیا۔ اور ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔ کہ ایک احمدی نے اپنے مکان اور مسجد کے لئے ایک زمین لی۔ وہاں کے مقامی افسران نے جو تعصب رکھتے ہیں۔ جھٹ رپورٹ کر کے

لینڈ اکیوی ذیشن ایکٹ

کے ماتحت اس زمین کا بڑا ٹکڑا چھین لیا۔ بہتیرا شور کیا گیا۔ کہ حکومت کو اور زمین مل سکتی ہے۔ ہمیں تو لوگ تعصب سے دیتے نہیں۔ لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ اس واقعہ اور اس واقعہ کو ملا کر دیکھ لو۔ کہ کس طرح حکومت ہم سے

سوتیلی ماں والا سلوک

کر رہی ہے۔ ہماری مسجد کی زمین ضبط کر لی جاتی ہے۔ اور احراری خلاف قانون ایک عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ تو سپیشل آرڈر دیا جاتا ہے۔ کہ فوراً ان سے درخواست لے کر اجلاس کر کے اس تعمیر کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ ایک پولیس کے اعلیٰ افسر یعنی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ایک علاقہ مجسٹریٹ یہاں آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اپنے ممبروں کو حکم دیجئے۔ کہ وہ فوراً اس مسجد کی تعمیر کی اجازت دے دیں۔ حالانکہ وہ سمال ٹاؤن کمیٹی کس بات کی ہے۔ جس سے ہمارے زور سے کام لیا جائے۔ جس سمال ٹاؤن کمیٹی کو ہم سے حکم دلوا دلوا کر مجبور کرتا اور اس کے فرائض منصبی سے روکتا ہے۔

وہ کمیٹی نہیں بلکہ کھلونا ہے

اور اس قابل ہے۔ کہ اسے پھونک دیا جائے۔ لطیفہ یہ ہے۔ کہ ہمارے امن پسندوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ چونکہ ہمیں

امن پسندی کی تعلیم

دی گئی ہے۔ اس لئے حکام کی خواہش کو ہمیں پورا کرنا چاہیئے۔ اپنی جماعت کے ممبران کمیٹی پر زور ڈالا کہ یہ کام جلدی کر دیا جائے۔ غرض

عنادید حکومت کی خوشنودی مزاج

کے حصول کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔ مگر جو اس کا انعام ملا۔ وہ بھی سن لو۔ اس موجودہ جھگڑے کے پیدا ہونے پر ہمارے آدمیوں نے ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے کہا۔ کہ ہم تو ہمیشہ حکومت کے وفادار رہے ہیں۔ مثلاً حکام کے کہنے کے مطابق ہم نے سمال ٹاؤن کمیٹی کے ممبروں پر زور دیا۔ اور انہیں کہا۔ کہ احرار کو مسجد کی تعمیر کی اجازت دے دینی چاہیئے۔ تو اس پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا۔ کہ نہ علاقہ مجسٹریٹ اور نہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اختیار تھا۔ کہ ایسا حکم کمیٹی کو دیتے۔ یہ کہنے پر کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس تو کہتے تھے۔ کہ ڈپٹی کمشنر کا منشاء ہے کہ اگر اس جھگڑے کو چکایا نہ جائے۔ تو فریقین کی زیر دفعہ ۱۰۷ ضمانتیں لی جائیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ جس شخص نے یہ کہا ہے۔ کہ میں نے ایسا حکم دیا تھا۔ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اب ہمارے لئے

عجیب مشکلات

ہیں۔ اگر ہم اس وقت انکار کرتے۔ تو ہم

باغی

قرار دیئے جاتے۔ اور پولیس کے افسر یہ رپورٹ کرتے۔ کہ احمدی ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اور جب ہم نے ان کی بات مان لی۔ تو ہم

احمق اور بیوقوف

قرار دیئے گئے۔ اور کہا گیا۔ کہ تم نے خود ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ ہم نے تو کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ پس ہم اگر ایک حکم مان لیں۔ تو احمق بنتے ہیں۔ نہ مانیں تو باغی قرار پاتے ہیں۔ پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ہمارے لئے کونسی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم وہی صورت اختیار کریں۔ جو

ایک نوکر نے اپنے آقا کے متعلق

اختیار کی تھی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ کوئی شخص تھا۔ جو ہمیشہ عذر رکھ کر اپنے ملازموں کو نکال دیا کرتا۔ ایک دفعہ جب اس نے نیا نوکر رکھا۔ تو اس نے یہ سمجھتے ہوئے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو چند دنوں کے بعد یہ مجھے بھی کوئی عذر رکھ کر نکال دے۔ آقا سے کہا۔ کہ آپ میری

تمام ذمہ داریاں

مجھے لکھ دیجئے۔ اگر ان کی ادائیگی میں میں نے کوتاہی کی۔ تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا۔ جو کام میرے ذمہ نہ ڈالا گیا۔ میں اس کا ذمہ وار نہ ہوں گا۔ چونکہ مطالبہ نہایت معقول تھا۔ اس لئے آقا نے تمام ذمہ داریاں اسے لکھ کر دے دیں۔ ایک دن آقا

ایک مونہہ زور گھوڑے پر سوار

ہوا۔ جو اتفاقاً کسی چیز سے ڈر کر بدکا۔ اور آقا صاحب گھوڑے سے نیچے آ رہے۔ لیکن ایک رکاب میں پاؤں پھنس رہ گیا۔ اس پر اس نے شور مچایا۔ اور نوکر کو آوازیں دینی شروع کیں۔ کہ میرا پاؤں رکاب سے نکالو۔ لیکن آقا ادھر شور مچاتا جاتا تھا۔ اور نوکر ادھر

شرطوں کا کاغذ

لئے چلاتا جاتا تھا۔ کہ دیکھو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں۔ گورنمنٹ کے افسروں نے بھی ہم کو اس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ ہم مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ

گورنمنٹ کے حکام پر اعتبار نہ کریں

اور ان سے ہر امر کے متعلق تحریر طلب کریں۔ لیکن یہ حالت گورنمنٹ کے نقطۂ نگاہ سے نہایت خطرناک ہے۔ اگر حکومت کے

اعلےٰ حکام میں اس قسم کی خیانت

پیدا ہو گئی ہے۔ اور ذمہ دار افسر

ایک دوسرے کی تکذیب

پر مجبور ہو گئے ہیں۔ تو بتاؤ وہ حکومت کس طرح چل سکتی ہے۔ اور اس کے ماتحت انسان کو امن کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔

اب

دوسرا واقعہ

سن لو۔ ہم نے جو یہاں نئی آبادیاں قائم کی ہیں۔ ان

ہیں بعض جگہ علاقوں کے علاقے ہمارے اپنے ہیں اور ان محلوں کی گلیاں ہماری

پرائیویٹ گلیاں

ہیں۔ جن پر گزر نے دینا یا نہ دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ اس قسم کے ایک راستہ پر ایک پھاٹک ہم نے لگا لیا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہندو بھی اسی طرح اپنے محلوں میں راستوں پر

حفاظت کے لئے پھاٹک

لگا لیتے ہیں۔ یہ پھاٹک جس کا میں نے ذکر کیا ہے اس راستہ پر لگایا گیا تھا جو مقبرہ بہشتی کو جاتا ہے۔ ہماری تحقیق اور ہمارے علم کے مطابق وہ پھاٹک ہماری زمین میں ہے اور جس رستہ پر وہ لگایا گیا ہے۔ وہ ہمارا پرائیویٹ ہے نہ کہ سرکاری۔ مگر اس

پھاٹک کے لگنے پر

یک دم ایک شور پڑ گیا۔ اور تمام احراری غیر احمدیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ احمدیوں نے ہمارے راستے بند کر دیئے ہیں

احراری غیر احمدی

میں اس لئے کہتا ہوں کہ یہاں کے رہنے والے بہت سے غیر احمدی شریف الطبع لوگ جن کے ہم سے تعلقات ہیں اور ہمارے ان سے۔ وہ اس شور ڈالنے میں حصہ دار نہیں۔ بلکہ ان کو وہ گالیاں بری لگتی ہیں جو ہم کو دی جاتی ہیں۔ مگر چونکہ کسی کی زبان کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ احراری کہتے یہی ہیں۔ کہ گویا یہاں کے سب غیر احمدی ان کے ساتھ ہیں۔ جیسے پانچ سات ہزار آدمی جو ان کے جلسہ میں شریک ہوا تھا۔ ان کا نام

ساٹھ ہزار فرزندان توحید

کا لہریں مارتا ہوا سمندر ہو گیا ہے غرض ان لوگوں نے جو احرار کے شریک ہیں۔ یہ شور ڈال دیا۔ کہ احمدیوں نے سڑکوں پر چلنے سے ہمیں روک دیا ہے۔ حالانکہ وہ سڑکیں نہیں تھیں اسکے

پولیس کے اعلیٰ افسر

یعنی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی چند مرتبہ آئے۔ بعض مجسٹریٹ بھی متعدد دفعہ آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ یہ کیا ظلم کیا گیا ہے ایک افسر مجھ سے بھی ملا۔ اور کہنے لگا یہ کیا غضب ہوا ہے۔ کہ خواہ مخواہ لوگوں کا

راستہ روک دیا گیا ہے

میں نے کہا اس میں مشکل کیا ہے۔ پٹواری آپ کے پاس ہیں زمین کا نقشہ نکلوا لیجئے اگر یہ پھاٹک کسی اور کی زمین میں نکلے۔ اور ایک منٹ کے لئے بھی ہماری جماعت اس کو اٹھانے میں دیر کرے۔ تو میں اس کا ذمہ دار ہونگا۔ مگر اس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ ایک افسر آتا اور دھمکی دے کر چلا جاتا۔ پھر دوسرا آتا اور وہ دھمکی دے کر چلا جاتا۔ جب یہ شور بہت بڑھا۔ تو میں نے صدر انجمن والوں سے پوچھا۔ کہ یہ آپ لوگوں نے کیا کیا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اچھی طرح دیکھ بھال کر پھاٹک لگایا ہے وہ

ہماری زمین

میں ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی زمین میں نہیں ہے لیکن اگر ثابت ہو جائے کہ یہ سرکاری زمین ہے۔ تو ہم اسی وقت پھاٹک اٹھا لیں گے انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم نے افسروں کے سامنے یہ بات پیش کی ہے۔ کہ کوئی افسر آ جائے۔ تو وہ تحقیق کر کے دیکھ لے لیکن

تحقیق کرنے کے لئے

کوئی نہیں آتا۔ البتہ ضلع کا عملہ گھبرایا ہوا پھرتا ہے حالانکہ اس کا فوجداری اور پولیس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس زمانہ میں مجھ سے بھی

ایک اعلیٰ افسر

نے کہا تھا۔ کہ جو شور اس وقت ہو رہا ہے اس کے نتیجہ میں میں ڈرتا ہوں۔ کہ حکومت سخت تجاویز اختیار کرنے پر مجبور ہوگی۔ میں نے کہا۔ ہم تو اپنی طرف سے باامن رہنے کی کوشش کرتے ہیں اگر اس پر بھی حکومت کا یہ خیال ہو تو

ہم مجبور ہیں

اب مہینہ دو مہینے ہوئے کہ ایک افسر یہاں آیا۔ اور ڈپٹی کمشنر صاحب کے حکم سے لوکل کمیٹی کے پریذیڈنٹ سے وہ یہ دستخط لے کر گیا کہ پندرہ دن کے اندر اندر پھاٹک کو اٹھا دیا جائے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے پریذیڈنٹ ہونے کے لحاظ سے ایک ڈپٹی کمشنر کو فوجداری اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ پھر یہاں نہ تحقیقات ہوئی۔ اور نہ ہی تعیین ہوئی اور خود بخود یہ حکم دیدیا گیا کہ

پندرہ دن کے اندر اندر

اسے اٹھا دیا جائے۔ اس پر یہاں کے ایک مالک نے تحصیلدار صاحب کو لکھا۔ کہ میر قاسم علی صاحب کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی نوٹس دیا جاتا ہے۔ تو مالکان یا صدر انجمن کو دینا چاہئیے۔ ہم میر قاسم علی صاحب لوکل پریذیڈنٹ کے اس وعدہ کے پابند نہیں ہو سکتے۔ اب وہ پندرہ دن بھی گذر گئے ہیں اور پھاٹک ابھی تک نہیں اٹھایا گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا

اپنی زمینوں میں پھاٹک

نہیں لگائے جاتے۔ اگر تو کسی پبلک تھارو فیئر (thorough fare) میں یہ پھاٹک لگ ہوتا یا گورنمنٹ کا اس میں کوئی راستہ ملتا تب تو یہ مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔ کہ اس پھاٹک کو اٹھا لیا جائے۔ لیکن جب کہ وہ ہمارے نزدیک ہماری زمین میں واقعہ ہے اور ڈسٹرکٹ بورڈ نے ابھی تک اپنا حق ثابت نہیں کیا۔ اور اگر اس کا حق ثابت بھی ہوا تو بھی صرف یہ ہوگا۔ کہ وہ پھاٹک پانچ فٹ درے لگ جائیگا۔ پبلک کو کوئی نیا راستہ نہ مل جائیگا پھر میں نہیں سمجھتا کہ اسے اس قدر اہم

فوجداری سوال

کس طرح بنا دیا گیا۔ اور کیوں اس واقعہ کی اطلاع پہنچتے ہی پولیس اور مجسٹریٹوں کے اندر ہیجان پیدا ہو گیا۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو تخفیفیں ہو رہی ہیں۔ اور حکومت کی طرف سے افسروں کو یہ تاکید کیجاتی ہے کہ وہ اپنے دوروں کو کم کر دیں۔ اور بعض جگہ تو اتنی سختی کی گئی ہے۔ کہ خود حکومت تسلیم کرتی ہے کہ کام کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ مگر ہمارے خلاف معاملہ ہو۔ تو اتنی فراخدلی برتی جاتی ہے کہ جو افسر اٹھتا ہے وہ

وہ جھٹ دورے پر قادیان

آ جاتا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ یا تو مالی تنگی کا جو شکوہ کیا جاتا ہے وہ غلط ہے اور یا

ڈسٹرکٹ بورڈ کی زمین

کے بہانہ سے افسروں کے دورے اور احکام کسی نہ کسی افسر کے عناد اور دشمنی کا ایک مظاہرہ ہیں

گورنمنٹ کا فرض

تھا۔ کہ یہ دیکھتی۔ کہ اس پل کی وجہ سے جو اس کے افسروں نے اتنے دورے کئے ہیں۔ تو کیوں اور کن اغراض و مقاصد کے ماتحت اور کس افسر کے حکم سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں۔ کہ کیا انہوں نے یہ تمام خرچ گھر سے کیا تھا۔ یا

گورنمنٹ کے خزانے سے

اگر گورنمنٹ کے خزانہ سے یہ تمام خرچ کیا گیا ہے۔ تو بتلایا جائے۔ کہ اتنی دریا دلی سے کیوں کام لیا گیا۔ گورنمنٹ کسی باہر کے افسر کو مقرر کر کے دیکھ لے۔ وہ تحقیقات کے بعد یہی بیان دے گا۔ کہ کوئی پبلک راستہ روکا نہیں گیا۔ پس سوال صرف ڈسٹرکٹ بورڈ کی چند فٹ کی زمین کا ہے اور یہ ایک

دیوانی سوال

ہے۔ نہ کہ فوجداری۔ پس جب کہ تمام گلیاں ہماری اپنی زمین میں ہیں۔ تو گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ وہ ان افسروں سے پوچھے۔ کہ تم نے کیوں اتنا روپیہ برباد کیا۔ اور اس

وفادار جماعت

کو ناحق دق کیا۔ مگر گورنمنٹ نے یہ رویہ اختیار نہ کیا۔ اور نہ ہی یہ ضرورت سمجھی۔ کہ افسروں سے بازپرس کرے۔ پس اس واقعہ سے بھی صاف طور پر پتہ لگتا ہے۔ کہ ہمیں

دق کرنے کی منظم کوشش

کی جارہی تھی۔ اور اس کارروائی کا ہمیں چھیڑنے کے سوا کوئی منشا نہ تھا۔ ورنہ کجا ڈسٹرکٹ بورڈ کی چند فٹ کی زمین کا جھگڑا اور کجا حکومت کی دھمکیاں اور فوجداریاں۔

تیسرا واقعہ

یہ ہے۔ کہ ہمارے جلسہ سالانہ ۱۹۳۳ء پر احراری غیر احمدیوں نے بھی اپنا ایک جلسہ کیا۔ ۲۸ دسمبر کو ہمارا جلسہ ختم ہوا۔ اور ۲۹ کو ان کا جلسہ ہوا۔ اس کے متعلق جیسا کہ قاعدہ ہے۔ گورنمنٹ کو فکر ہوا۔ کہ کہیں کوئی فساد نہ ہو جائے۔ چنانچہ مجسٹریٹ صاحب علاقہ آئے۔ اور ناظر صاحب امور عامہ سے خواہش کی۔ کہ آپ اپنے آدمیوں کو وہاں جانے سے روکدیں۔ ناظر صاحب نے وعدہ کیا۔ کہ ہم اپنی جماعت کے لوگوں کو روکدیں گے۔ چونکہ ہمارے جلسہ میں ۱۵-۲۰ ہزار کے قریب آدمی باہر سے شامل ہوتے ہیں۔ اور چھ سات ہزار کے قریب قادیان کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ اور اتنے آدمیوں کو حکم سے آگاہ کرنا اور ان سے تعمیل کروانا بہت مشکل کام ہے اس لئے محکمہ کی طرف سے علاوہ لوگوں کو روکنے کے یہ تجویز بھی کی گئی۔ کہ گلی کے دونوں طرف آدمی مقرر کر دیئے۔ تاکہ جن احمدیوں کو وہ پہچانیں انہیں جلسہ میں نہ جانے دیں۔ اور ایک آدمی کو مسجد کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ تاکہ اگر کوئی بھول کر آ بھی جائے۔ تو اسے واپس کر دیا جائے۔ یہ شخص

مرکزی محکمہ کا ایک کلرک

تھا۔ جو زیادہ احمدیوں سے واقف تھا۔ پس جو احمدی وہاں جاتا اسے وہ صاحب کہہ دیتے۔ کہ یہاں جانے کی آپ کو ممانعت ہے۔ اسی کام کے دوران میں اس دوست نے جو دروازہ پر مقرر تھے۔ معلوم کیا۔ کہ

احراریوں کی طرف سے چیلنج

دیا جارہا ہے۔ کہ فلاں بات کا جواب احمدی دیں۔ اور اس پر انہوں نے ایک رقعہ ناظر دعوت کو لکھا۔ کہ بہتر ہو کسی مبلغ کو بھجوا دیا جائے اس پر ناظر صاحب دعوت و تبلیغ نے مولوی محمد سلیم صاحب کو جو ہونہار نوجوان۔ یونیورسٹی کے گریجوایٹ اور جماعت کے ہوشیار مبلغوں میں سے ایک مبلغ ہیں۔ وہاں بھیجدیا۔ جنہوں نے

چیلنج کے جواب میں

رقعہ لکھا۔ کہ کیا ہم بول سکتے ہیں۔ اور جواب نفی میں ملنے پر وہ امن اور خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چلے آئے۔ اسی عرصہ میں پولیس والوں نے معاً

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس

کے پاس جو اس وقت قادیان میں ہی تھے۔ اپنا آدمی دوڑایا کہ احمدی حملہ کرکے آ گئے ہیں۔ آپ جلد آئیں۔ گویا احمدی مبلغ کا رقعہ

احمدیوں کا حملہ

بن گیا۔ مجھ سے خود ایک ذمہ وار پولیس کے اعلیٰ افسر نے بیان کیا۔ کہ آپ کی جماعت نے

سخت نامعقولیت

کی۔ کیونکہ اس موقعہ پر کہ احرار کے لوگ کثرت سے آئے ہوئے تھے۔ اور ہندوؤں اور سکھوں میں بھی آپ کے خلاف جوش ہے۔ اگر فساد ہو جاتا۔ تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ ایسے مواقع پر مکان جلا دیئے جاتے۔ اور محلے تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ خیر اس واقعہ کے بعد یہ مسئلہ حکام کے ہاتھ آ گیا۔ اور اس پر کارروائی شروع ہو گئی۔ اور آدمی پر آدمی آنا شروع ہو گیا۔ کہ یہ کیا غضب ہو گیا۔ ہم نے انہیں کہا۔ کہ آپ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا۔ کہ احمدیوں کو اس جلسہ میں جانے سے روکا جائے۔ پھر کونسا طریق تھا۔ جو ہم انہیں روکنے کے لئے اختیار کرتے۔ ۱۵ ہزار میں سے بے شک کافی حصہ اس دن واپس چلا گیا تھا۔ مگر رمضان المبارک کی وجہ سے اور کچھ میری ملاقات کی وجہ سے

پانچ چھ ہزار سے زائد مہمان

ابھی یہاں موجود تھا۔ سات ہزار کے قریب قادیان کے احمدی تھے۔ ان دس بارہ ہزار آدمیوں کو روکنے کی آخر کیا تدبیر اختیار کی جاتی۔ پھر آپ نے خود کہا تھا کہ احمدیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ اور واقعہ یہ ہے۔ کہ ہم میں سے کوئی وہاں نہ گیا۔ پھر اس میں فساد کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ مگر ان دلائل کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اور یہی کہا گیا۔ کہ اگر فساد ہو جاتا۔ تو کئی خون ہو جاتے۔

ہزاروں آدمی جیل میں

چلے جاتے۔ اور مکانات جل جاتے۔ وہاں ۳ ہزار آدمی جن میں ہندو اور سکھ بھی تھے جمع تھے۔ جو سب آپ کے مخالف تھے اور فساد کا سخت خطرہ تھا۔ حالانکہ

تین ہزار آدمی

اس مسجد میں بھی جس میں میں خطبہ پڑھ رہا ہوں۔ سما نہیں سکتا۔ اور وہ مسجد تو جہاں جلسہ ہو رہا تھا۔ نہایت چھوٹی سی ہے۔ اور ایک ہزار آدمی بھی اس میں نہیں آ سکتا۔ گورنمنٹ کے پاس جو رپورٹ کی گئی۔ اس کے متعلق خود ایک اعلیٰ افسر نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ اس رپورٹ میں بیان کیا گیا تھا۔ کہ احمدی وہاں گئے۔ اور انہوں نے فساد برپا کرنا چاہا۔ لیکن ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے وہاں جا کر فساد رفع دفع کیا۔ جب میں نے کہا۔ کہ میری رپورٹ یہ ہے۔ کہ سوائے ان چند آدمیوں کے جن کو اس امر کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ کہ احمدیوں کو وہاں جانے سے منع کریں۔ اور سوائے مبلغ اور اس کے دو تین ساتھیوں کے وہاں کوئی نہیں گیا۔ اور نہ کوئی فساد ہوا۔ تو اس افسر نے کہا۔ کہ آخر اتنے بڑے افسر کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اس کا یہی جواب دیا۔ کہ بے شک انہیں

جھوٹ بولنے کی ضرورت

نہیں۔ مگر میں بھی اپنے آدمیوں کی سچائی کو جانتا ہوں۔ اس لئے میں دوبارہ تحقیق کراؤں گا۔ کہ یہ اختلاف کیونکر پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے

دوبارہ تحقیق

کرائی۔ اور ناظر متعلقہ نے بعد تحقیق رپورٹ کی۔ کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کا اپنا ایک بھائی اس موقعہ پر قادیان میں اور ان کی مجلس میں موجود تھا۔ اور اور معززین بھی وہاں موجود تھے۔ ان سے گواہی لے لی جائے۔ کہ جو واقعہ ہم بیان کرتے ہیں وہی درست ہے۔

واقعہ صرف یہ ہے

کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس ایک سپاہی آیا۔ اور اس نے بیان کیا۔ کہ فساد کا خطرہ ہے۔ وہ کوٹ پہن کر گئے مگر ابھی احراریوں کے جلسہ گاہ میں نہ پہنچے تھے۔ کہ پھر ایک آدمی آیا۔ اور اس نے کہا کہ اب ضرورت نہیں رہی۔

فساد کا اندیشہ

نہیں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ یہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب مجھ سے ملے۔ تو میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اور پوچھا کہ آپ نے ایسی رپورٹ کس طرح کی۔ جبکہ آپ جلسہ پر نہ گئے۔ اور نہ کسی فساد کو رفع کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ کہ نہ میں نے یہ رپورٹ کی۔ اور نہ میں وہاں جلسہ پر گیا تھا جب یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ تو میں کس طرح غلط رپورٹ کر سکتا تھا۔

اب تعجب ہے۔ کہ

ایک ذمہ وار افسر

تو میرے پاس آ کر بیان کرتا ہے۔ کہ جماعت نے اتنی نامعقولیت کی۔ کہ قریب تھا۔ وہاں خون ہو جاتے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب وہاں پہنچے۔ تو انہوں نے فساد کو روکا مگر وہ ڈپٹی صاحب کہتے ہیں۔ کہ نہ کوئی فساد ہوا۔ نہ میں وہاں گیا۔ اور نہ میں نے ایسی کوئی رپورٹ کی۔ اب بتاؤ۔ کہ ان مشکلات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پہلے واقعہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مجسٹریٹ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس واقعہ میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کی تکذیب کرتے ہیں لیکن

ہر غلطی کا خمیازہ

ہمیں بھگتنا پڑتا ہے۔ جس سے ہم تو یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے ساتھ فریب کیا جارہا تھا۔ دھوکا کیا جارہا تھا۔ کوئی

نہ کوئی افسر ایسا حکومت پنجاب میں تھا۔ جو یہ سب کھیل ہمیں ستانے اور دق کرنے کیلئے کھیل رہا تھا کیونکہ بڑے افسر بھی ایک دوسرے کی تکذیب پر مجبور ہوتے ہیں۔ جبکہ واقعہ میں غلط بیانی سے کام لیا جا رہا ہو :-

اب میں پھر اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے کہتا ہوں کہ اگر واقعہ ہی کوئی نہیں ہوا۔ تو سرکاری افسروں نے ہم پر حرف گیری کیوں کی۔ اور ہمیں

ڈراوے اور دھمکیاں

کیوں دی گئیں۔ کیا ایسے حکام کے ماتحت کوئی امن سے رہ سکتا ہے۔ جن میں سے ایک ذمہ دار افسر ایک دوسرے ذمہ دار افسر پر جھوٹ کا الزام لگا رہا ہو۔ اور جو وفادار رعایا کو ناحق دق کر رہے ہوں۔ میں

حلفیہ شہادت

دینے کے لئے تیار ہوں۔ کہ میں نے ان دو سرکاری افسروں سے جو کچھ سنا۔ وہی بیان کیا ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ ان افسروں میں سے جس نے بھی جھوٹ بولا ہوگا گورنمنٹ اس سے پوچھے یا نہ پوچھے۔ خدا تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا :-

اسی سلسلہ میں ہم سے یہ بھی کہا گیا۔ کہ احمدیوں نے وہاں شعر پڑھے۔ اور

احرار کے جلسہ میں شورش

پیدا کرنی چاہی۔ جس کی حقیقت صرف اتنی ہے۔ کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر احمدی زمیندار بھی بکثرت آتے ہیں۔ اور ہمیشہ پنجابی ڈھولے فراغت کے وقتوں میں پڑھتے رہتے ہیں۔ ایسے کچھ دوست اسی محلہ میں ایک احمدی کے مکان میں کچھ ڈھولے پڑھ رہے تھے۔ جس پر پولیس نے ان کو روکا۔ اور گو ان کا روکنا سراسر ناجائز تھا۔ وہ رک گئے۔ مگر اس کا نام یہ رکھا گیا۔ کہ احمدیوں نے جلسہ گاہ کے اندر یا قریب شعر پڑھ پڑھ کر جلسہ کو خراب کرنا چاہا۔

چوتھا واقعہ

یہ ہے۔ کہ یہاں کی پولیس کی طرف سے رپورٹ کی گئی۔ کہ ایک سرکاری افسر کی ڈیوٹی میں احمدیوں کی طرف سے رکاوٹ ڈالی گئی ہے۔ اگر ایسا ہو۔ تو واقعہ میں یہ ایک ایسا جرم ہے جس پر سزا ملنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس امر کی اجازت دیدی جائے۔ تو حکومت کا کام ہی معطل ہو جائے۔ ایک پولیس مین پہرہ دینے لگے۔ اور کوئی اسے روک دے۔ تو

مال وجان کی حفاظت

کس طرح ہو۔ اگر ایک پوسٹ مین کو ڈاک کی تقسیم سے روکا جائے تو ڈاک کے رکنے سے تجارت اور دیگر کام بھی رک جائیں اگر کوئی مجسٹریٹ کو عدالت میں جانے سے روک دے۔ تو انصاف کا محکمہ باطل ہو جائے۔ غرض یہ قانون ضروری ہے۔ کہ سرکاری ملازموں کو ان کے فرض منصبی سے کوئی نہ روکے۔ اور جو روکے اسے سزا دی جائے۔ پس اگر یہ جرم کسی احمدی پر ثابت ہو۔ تو یقیناً ہم خود اس کے خلاف کارروائی کریں۔ لیکن یہ واقعہ

سرکاری کام میں روک

پیدا کرنے کا گزشتہ واقعات کی طرح اپنی نوعیت میں بالکل نرالا ہے۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ

ڈاک خانہ کا ایک کلرک

جس کا احراریوں سے بھی تعلق تھا۔ اور احمدیوں سے بھی۔ اسے اس کے ایک احمدی دوست نے کہا۔ کہ یہ اچھی بات نہیں۔ کہ ہم سے بھی تعلق رکھتے ہو۔ اور احراریوں سے بھی۔ بس اس قدر بات کا کہنا ایک سرکاری افسر کے فرض منصبی میں رکاوٹ ڈالنا قرار دیا گیا۔ گویا

احراریوں سے ملنا

ڈاک خانہ کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ اور بابو کا یہ کام ہے۔ کہ جہاں وہ منی آرڈر کرے۔ وہاں احراریوں سے بھی ملے۔ اس رپورٹ پر پولیس دوڑی چلی آئی۔ اور گھبراہٹ کا ایک عالم طاری ہوگیا۔ ہم الگ حیران۔ کہ خدایا یہ کیا جرم ہوگیا۔ گو ہر الزام بعد میں غلط ہی نکلتا تھا۔ لیکن

جماعت کی اصلاح

پر نظر رکھتے ہوئے میں ہر دفعہ اپنے ہی آدمیوں پر ناراض ہوتا کہ آپ لوگ اعتراض کا موقعہ ہی کیوں دیتے ہیں۔ اس دفعہ بھی میں نے ایسا ہی کیا۔ گو حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت تک میری طبیعت میں بھی اس قدر اشتعال پیدا ہوچکا تھا۔ کہ اگر

جماعت کی ذمہ داری

میرے سر پر نہ ہوتی۔ تو میں جیل خانہ جانا پسند کرتا۔ لیکن اس روزمرہ کی چھیڑ خانی کو برداشت کرنے سے انکار کر دیتا۔

بہر حال اس دفعہ پھر

حکومت کی مشینری

شدت کے ساتھ حرکت میں آئی۔ اور میں نے بھی اپنی جماعت کے لوگوں کو ڈانٹنا شروع کیا۔ کہ کیوں آپ لوگ

سلسلہ کی عزت

کے خیال سے اپنے جوشوں کو دبا کر نہیں رکھتے۔ ذلت برداشت کرلو۔ لیکن ان باتوں سے بچو۔ جن سے سلسلہ کی ہتک ہوتی ہے :-

اس دفعہ ایک انسپکٹر صاحب پولیس تفتیش کے لئے مقرر کئے گئے۔ انہوں نے یہاں آکر بیان لئے۔ اور ڈاک خانہ کے اس کلرک نے جس کی نسبت کہا گیا تھا۔ کہ اسے اپنے فرائض منصبی سے روکا گیا ہے۔ باوجود مخالفت کے صاف کہدیا۔ کہ اسے ڈاک خانہ کے کام سے

کسی نے نہیں روکا

صرف اس کے ایک دوست نے اس سے شکوہ کیا تھا۔ کہ تم ہمارے بھی دوست بنتے ہو۔ اور احرار سے بھی میل جول رکھتے ہو۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ پولیس بیانات لے گئی۔ اور ہم نے سمجھا۔ کہ یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ مگر بعد میں بعض ذرائع سے معلوم ہوا۔ کہ اوپر رپورٹ یہ کی گئی ہے۔ کہ شکایت تو درست تھی۔ لیکن غالباً

کلرک کو احمدیوں نے ورغلا لیا

ہے۔ اس لئے وہ اب منکر ہوگیا ہے :-

اب اگر یہ رپورٹ درست ہے۔ تو سمجھ لو کہ ہمارے لئے کس قدر مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں۔ کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اگر کوئی احمدی ہمارے حق میں شہادت دے۔ تو اسے یہ کہکر رد کر دیا جائے گا۔ کہ یہ احمدی ہے۔ اور جھوٹ بولتا ہے۔ اگر غیر احمدی ہمارے حق میں شہادت دے۔ تو یہ کہا جائے گا۔ کہ اسے احمدیوں نے ورغلا لیا ہے۔ گویا ہمارے معاملہ میں صرف وہی گواہی سچی سمجھی جائے گی۔ کہ جو ہمارے خلاف ہو۔ ان حالات میں ہمارے لئے

اپنی عزت کی حفاظت کے لئے

کیا صورت رہ جاتی ہے۔ اور ہمارے لئے انصاف پانے کا کونسا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے۔ لطیفہ یہ ہے۔ کہ ابھی چند ماہ ہوئے

ہائی کورٹ میں

ایک مقدمہ پیش تھا۔ جج صاحب ایک انگریز تھے۔ ان کے سامنے ایک فریق کے وکیل نے کہا۔ کہ صاحب دوسرا فریق احمدی ہے۔ اور گواہ بھی احمدی ہیں۔ اس پر

منصف مزاج جج

نے اس کو اس دلیل کے پیش کرنے سے روک دیا۔ کہ مسلمانوں کے مقدمہ میں مسلمانوں کی۔ ہندوؤں کے مقدمہ میں ہندوؤں کی گواہی سنی جاتی ہے۔ تو احمدیوں کے مقدمہ میں

احمدیوں کی گواہی

کیوں قبول نہ کی جائے گی۔ دوبارہ پھر اس امر کی طرف اشارہ کرنے پر فاضل جج نے کہا۔ کہ میں نے مسل کا مطالعہ کیا ہے۔ اور میرے نزدیک احمدی گواہوں نے عام گواہوں سے زیادہ سچی گواہی دی ہے۔ اس لئے میں اس دلیل کو سننے کے لئے تیار نہیں

حکومت کا عدالتی حصہ

یہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ اور انتظامی وہ جو اوپر بیان ہوا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

پانچواں واقعہ

جب گورنمنٹ کی طرف سے ہم پر اتنی مہربانیاں ہو رہی تھیں کہ کہیں تعمیر مسجد کا شاخسانہ کھڑا کر کے ہم پر یہ الزام لگایا جا رہا تھا۔ کہ ہم نے احراریوں پر حملہ کیا۔ کہیں پھاٹک کا واقعہ پیش کر کے بتایا جاتا تھا۔ کہ احمدیوں نے سڑکیں روک لیں۔ کہیں جلسہ غیر احمدیاں کے موقعہ پر رپورٹ کی جاتی تھی۔ کہ ہزاروں خون ہونے کا احتمال تھا۔ کہیں ڈاک خانہ کے بابو کے فرائض منصبی میں روکاوٹ ڈالنے کا الزام ہم پر عائد کیا جاتا تھا۔ اس وقت ایک ذمہ وار پولیس افسر نے مجھ سے بھی اور بعض دیگر کارکنان جماعت سے کہا۔ کہ حکومت ہم سے پوچھتی ہے۔ کہ کیوں احمدیوں کی اس قدر رعایت کی جاتی ہے۔ کیوں یہاں

تعزیری چوکی

مقرر کرنے کی سفارش نہیں کی جاتی۔ کوئی بتائے۔ کہ آج تک کہیں بھی ایسا ہوا ہے۔ کہ کسی نے سمال ٹاؤن کمیٹی کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عمارت تعمیر کرنی شروع کر دی ہو کسی نے قانون شکنی کر کے دوسرے فریق کو دق کرایا ہو۔ اور دھمکی پر ان فریق کو دی جائے۔ کہ تم پر تعزیری چوکی قائم کرنے کا حکومت کو خیال ہے۔

چھٹا واقعہ

اس اندھیر گردی کا یہ ہے۔ کہ کسی نے جھوٹی رپورٹ کر دی۔ کہ بعض احمدیوں نے سکھوں کے ایک گاؤں میں جا کر کہا ہے۔ کہ حضرت باوا نانک علیہ الرحمۃ گائے کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے جب یہ بات سنی۔ تو مجھے طبعاً برا معلوم ہوا۔ اور میں نے سمجھا کہ اگر کسی احمدی نے ایسا کہا ہے۔ تو اس نے غلطی کی۔ کیونکہ ہم حضرت باوا صاحب کی طرف جو امور منسوب کرتے ہیں۔ وہ ان کے شبدوں میں موجود ہیں۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے۔ گو میں سکھوں کے مذہب کا زیادہ واقف نہیں۔ ایسا کوئی شبد نہیں جس میں یہ ذکر ہو۔ کہ باوا صاحب نے

گائے کا گوشت

کھایا۔ پس اگر ایسا ہوا۔ تو علاوہ اس کے کہ ایک اشتعال انگیز فعل تھا۔ خلاف واقعہ امر بھی تھا۔ پس کارکنوں نے فوراً تحقیقات کرائی۔ تاکہ اگر کسی نے یہ غلطی کی ہے۔ تو اس سے گرفت کی جائے لیکن معلوم ہوا۔ کہ کسی احمدی نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ ہاں انہیں یہ شکوہ تھا۔ کہ باوا صاحب کو مسلمان کہا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ سکھ اس پر بھی برا مناتے ہیں۔ مگر ہم تو مسلمان اچھی چیز کو سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک مسلمان ہونا ایک

عزت کی بات

ہے نہ کہ مذمت کی بات ہمارے اور سکھوں کے اس اختلاف کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے برہمو سماج والے الہام کو برا سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ کیا خدا کی کوئی زبان ہے۔ یا وہ بھی کوئی بولی بولتا ہے۔ مگر ہم تو الہام کو

سب سے بڑا انعام

سمجھتے ہیں۔ اور جب ہم کسی بزرگ کے متعلق یہ کہتے ہیں۔ کہ اسے الہام ہوتا تھا۔ تو اسے اللہ تعالےٰ کا ایک مقرب بندہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح

کسی کو مسلمان کہنا

ہمارے نزدیک کسی کی ہتک نہیں۔ بلکہ اس کی عزت کا موجب ہے۔ پس گو سکھ قوم کا یہ حق ہے۔ کہ وہ کہے۔ کہ تم جو کچھ کہتے ہو۔ غلط کہتے ہو۔ مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتی۔ کہ ہم باوا صاحب کی ہتک کرتے ہیں۔ پھر ہم انہیں مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ

بزرگ اور ولی اللہ

سمجھتے ہیں۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ بزرگ اور ولی اللہ کہنا کسی کی ہتک نہیں۔ بلکہ عزت کی بات ہوتی ہے۔ پس وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہم نے ان کی ہتک کی۔ غرض اصل واقعہ بالکل کچھ اور نکلا۔ جس میں باوا صاحب کی ہرگز ہتک نہیں تھی۔ مگر گورنمنٹ کے محکمہ نے یہ کارروائی کی۔ کہ رپورٹ کرتے ہوئے لکھ دیا۔ کہ احمدیوں نے فی الواقعہ ایسا کہا تھا۔ حالانکہ یہ بات تحقیقات سے غلط ثابت ہو چکی تھی۔ پھر اندر ہی اندر کوئی کارروائی ہوتی رہی۔ جس کے ظاہر کرنے پر نہ ہم تیار ہیں۔ اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے۔ غرض صرف یہ تھی۔ کہ سکھ قوم میں جوش پھیلے۔ حالانکہ اگر سکھوں کو

اشتعال دلانے والی

کوئی بات ہوتی۔ تو میں خود احمدیوں کو سزا دیتا۔

ساتواں واقعہ

احراری اپنی مجلس میں ہماری جماعت پر طرح طرح کے اتہام لگاتے ہیں۔ گندی سے گندی گالیاں دیتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت برے الفاظ میں یاد کرتے ہیں یہ رپورٹیں پولیس کی طرف سے جاتی ہیں۔ مگر گورنمنٹ کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔ اس پر قدرتی طور پر ہمارے بعض نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ ہم بھی ان کی

تقریروں کے نوٹ

لے لیا کریں۔ چنانچہ بعض نے ایسا کیا۔ وہ صرف نوٹ لیتے تھے۔ زبانی گفتگو نہیں کرتے تھے۔

ہمارے جلسوں میں

بھی پولیس بھی اور دوسرے لوگ بھی باقاعدہ آتے ہیں۔ اور نوٹ لیتے ہیں۔ مگر ہم نے کبھی برا نہیں منایا۔ ایک دن تو غلطی سے پولیس والا اپنی وردی ہی میں اگر میرے خطبہ کو لکھنے کے لئے مسجد میں بیٹھ گیا۔ حالانکہ ایسے موقعوں پر مسجد میں ان کو وردی پہن کر آنے کا حکم نہیں۔ بہرحال ہمیں پتہ ہے۔ کہ وہ

ہماری تقریروں کے نوٹ

لے جاتے ہیں۔ بلکہ ہم خود تیار ہیں۔ کہ اگر بعض نوٹ ان کے رہ جائیں۔ تو وہ ہم سے پوچھ لیں۔ پس تقریروں کے نوٹ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں سینکڑوں لوگ جن میں ہندو اور سکھ بھی ہوتے ہیں۔ میری تقریروں کے نوٹ لیتے ہیں۔ اور مجھے اس سے کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ بلکہ خوشی ہوتی ہے۔ کہ لوگ ان باتوں کو دہرائیں گے۔ اور یہ صاف بات ہے۔ کہ اچھی بات کے نوٹ لئے جانے پر گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور جبکہ ہم قانون شکنی بھی نہ کر رہے ہوں تو کسی کے نوٹ لینے پر ہمیں کیا شکوہ ہو سکتا ہے۔ پس ہمارے آدمیوں نے نوٹ لینے شروع کر دیئے۔ لیکن مجسٹریٹ صاحب نے ناظر امور عامہ اور لوکل پریذیڈنٹ کو یہ نوٹس دے دیا۔ کہ گورنمنٹ کو اطلاع ملی ہے۔ کہ احمدی وہاں جا کر نوٹ لیتے ہیں۔ آئندہ وہاں کوئی احمدی نہ جایا کرے۔ اگر کوئی جائے گا۔ تو اس کو

زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری

گرفتار کیا جائے گا۔ حالانکہ صرف نوٹ لینا ایسا فعل نہیں ہے۔ جو دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت آئے۔ اگر ایسا ہی ہو۔ تو گورنمنٹ کو تمام کالجوں پر یہ لکھ کر لگا دینا چاہیئے۔ کہ آئندہ کوئی طالب علم نوٹ نہ لیا کرے۔ ورنہ اس پر دفعہ ۱۰۷ کا نفاذ کر دیا جائے گا۔ سوال یہ ہے۔ کہ جو نوٹ لے گئے وہ نیک باتوں کے تھے۔ یا بُری باتوں کے۔ اگر نیک باتوں کے تھے۔ تو اس پر اعتراض کیا ہے۔ اور اگر وہ

بُری باتیں

تھیں۔ تو گورنمنٹ اب تک خاموش کیوں رہی۔ ناظر صاحب امور عامہ تو اس دن یہاں تھے نہیں۔ لوکل پریذیڈنٹ سے مجسٹریٹ کے اس تحریری نوٹس پر دستخط کروائے گئے

قانونی مشیروں کا مشورہ

ہمیں یہی تھا۔ کہ اس نوٹس کی خلاف ورزی کی جائے۔ کیونکہ یہ نوٹس ناجائز اور قانون کے منشاء کے خلاف ہے۔ مگر میں نے کہا۔ کہ چونکہ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم گورنمنٹ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ اس لئے گو نہایت اعلےٰ درجہ کے قانون دانوں نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو شامل کرتے ہوئے مجھے یہ مشورہ دیا۔ کہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں۔ کیونکہ

ہائی کورٹ کے متواتر فیصلے

موجود ہیں۔ کہ اگر جائز کام کرتے ہوئے کسی کو اشتعال آتا ہے

تو گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ وہ اسے پکڑے جسے اشتعال آتا ہے نہ کہ جائز کام کرنے والے کو۔ مگر ہماری طرف سے پھر بھی اس نوٹس کا احترام کیا گیا۔ حالانکہ اگر دفعہ ۱۰۷ کا نفاذ جائز تھا تو احراریوں پر اس کا نفاذ ہونا چاہیئے تھا۔ لطیفہ یہ ہے کہ نوٹس میں بھی یہ فقرہ نہیں لکھا گیا کہ تم اشتعال دلاتے ہو۔ بلکہ فقرہ یہ ہے کہ تم نوٹ لیتے ہو۔ گویا تسلیم کیا گیا ہے کہ ہمارے آدمی صرف خاموشی سے نوٹ لیتے تھے۔ اور

مجسٹریٹ صاحب کی عجیب ذہنیت

نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سے احرار کو فوری اور جائز جوش آنے کا احتمال ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کل مجسٹریٹ صاحب کے ذہن میں یہ بات آجائے۔ کہ احمدیوں کے کوٹ پہننے پر یا عمامہ باندھنے پر

احراریوں کو اشتعال

آتا ہے۔ تو کیا ثبوت کہ وہ کل کو ہمیں کوٹ پہننے اور عمامہ باندھنے سے نہیں روک دیں گے۔ ہماری کون سی بات ہے جس پر احراریوں کو اشتعال نہیں آتا۔ وہ تو ہماری ہر بات کو دیکھ کر جلتے بھنتے رہتے ہیں۔

آج کل الیکشن ہے

اس میں ووٹ دینے پر بھی انہیں اشتعال آتا ہے۔ ہمارے مسلمان کہلانے پر انہیں اشتعال آتا ہے۔ ہم حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو مسیح موعود مانتے ہیں اور انہیں جوش آتا ہے ہم انہیں نبی تسلیم کرتے ہیں تو انہیں غصہ آجاتا ہے ہر ایک شخص جو احمدیت میں داخل ہوتا ہے ان کو حسد کی آگ میں جلانے کا موجب ہوتا ہے پھر کیا وہ ان سب باتوں سے ہم لوگوں کو دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت روک دیں گے۔ آخر وہ کون مابہ الامتیاز ہے جس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جلسہ میں امن سے نوٹ لینے پر تو وہ نوٹس دے سکتے ہیں لیکن اوپر کی باتوں پر نہیں پس اس نوٹس نے بتا دیا ہے کہ آئندہ کے لئے

کسی قسم کی آزادی

احمدی جماعت کو حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ حکومت نے اس نوٹس دینے والے کے خلاف اب تک کوئی کارروائی نہیں کی۔ حالانکہ اس تک یہ معاملہ پہنچ چکا ہے پس ہم مجبور ہیں۔ کہ یہ سمجھیں کہ کم سے کم

اس ضلع کی حکومت احراری ہے

اور ہم پر برطانیہ نہیں۔ بلکہ اس کے بعض مجسٹریٹوں کے ذریعہ سے احرار حکومت کر رہے ہیں۔

آٹھواں واقعہ

یہ ہے۔ کہ قادیان کے کچھ غیر احمدی لوگ احراریوں کے برے رویہ سے تنگ آکر اور کچھ ہمارے آدمیوں کے کہنے پر کہ تمہارے تعلقات ہمارے ساتھ اچھے ہیں تم کیونکر ہماری نسبت احرار کی گالیوں کو برداشت کرتے ہو۔ اس بات پر آمادہ ہو گئے۔ کہ وہ

جمعہ الگ پڑھیں

چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سے وہ الگ اس محلہ کی مسجد میں جمعہ پڑھا کریں۔ جو قادیان کے شمال کے آخری سرے پر ہے۔ اور

خوجوں والی مسجد

کہلاتی ہے۔ مسجد ارائیاں جس میں احراری جمعہ پڑھتے ہیں وہ قادیان کے جنوب کی طرف ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے سے مخالف سمت پر اور کافی فاصلہ پر ہیں۔ اور ایک جگہ کی آواز دوسری جگہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ ایک مسجد میں داخل ہونے والے دوسری مسجد میں داخل ہونے والوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ دونو مسجدیں اس وقت غیر احمدیوں کے قبضہ میں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے بعض اوقات خوجوں والی مسجد میں بھی جمعہ ہوتا رہا ہے۔ مگر اب کچھ عرصہ سے غالباً وہاں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جمعہ الگ پڑھا جائے ان کے متعلق احرار یہ کب برداشت کر سکتے تھے۔ کہ وہ ان سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس پر فوراً حکام کو تار دی گئی۔ کہ احمدی ہماری

مسجد پر قبضہ

کرنا چاہتے ہیں۔ اور مقامی پولیس نے بھی مجسٹریٹ علاقہ کو تار دی۔ کہ احمدی مسجد پر فساد کر رہے ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب قادیان آئے اور آتے ہی جمعہ پڑھنے والوں کو

سختی سے روک دیا

کہ وہ انہیں اس مسجد میں جمعہ نہیں پڑھنے دیں گے۔ اب دیکھو کہ کس قدر دروغ بیانی سے اس واقعہ میں کام لیا گیا ہے نہ کسی احمدی نے حملہ کیا نہ احمدیوں نے مسجد سے کسی کو روکا اور نہ جمعہ پڑھنے والے احمدی تھے۔ مگر تار یہ دی گئی۔ کہ احمدی فساد کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ اس موقعہ پر صرف دو احمدی تھے ایک نمبردار جس کی نسبت خود ہیڈ کانسٹیبل نے تسلیم کیا کہ وہ اسے خود مدد کے لئے لے گیا تھا۔ اور دوسرا میونسپل کمیٹی کا کلرک جسے ہیڈ کانسٹیبل تسلیم کرتا ہے کہ وہ خالی کھڑا تھا اور یہ کہ اس نے تار لکھوانے میں اس سے مدد لی۔ اس واقعہ کا نام

احمدیوں کا فساد

رکھدیا گیا۔ ہمارے جو آدمی اس موقعہ پر تھے ان کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر مجسٹریٹ صاحب نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا کہ کون کون احمدی وہاں تھے اور اس نے اوپر بیان شدہ دو آدمیوں کا ہی نام لیا۔ اور تسلیم کیا کہ ان میں سے نمبردار وہاں پہلے موجود نہ تھا ہیڈ کانسٹیبل اسے خود ساتھ لے گیا تھا۔ پس پولیس کے آنے سے پہلے صرف میونسپل کمیٹی کے کلرک کا وہاں ہونا ثابت ہوا۔ اب اس ایک شخص کا وہاں اتفاقاً کھڑا ہونا احمدیوں کا فساد بن گیا گویا اس ایک شخص میں

فوجوں کی طاقت

جمع تھی۔ کہ اسے احرار کا سر کچلنے کے لئے احمدیہ جماعت نے وہاں بھجوایا تھا۔ مگر مجسٹریٹ صاحب نے اس بیان سے تسلی نہیں پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بار بار ہیڈ کانسٹیبل کو کہا کہ ارے یہ احراری لوگ تو کہتے ہیں کہ بہت سے احمدی تھے کیا یہ یونہی نام لیتے ہیں۔ بتا کون کون لوگ تھے مگر اس نے پھر بھی اس نے یہی کہا کہ یہی دو احمدی تھے جن کا میں نے ذکر کیا ہے اس تحقیق کے بعد مجسٹریٹ نے کہا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ کیا کہ سنو میاں ہیڈ کانسٹیبل یہاں

مسجد میں کوئی احمدی داخل نہ ہو

اگر کوئی وضو یا نہانے کے لئے بھی آئے تو اسے وہیں ہتھکڑی لگا لو۔ دیکھو نا خواہ کتنی بھی بڑی حیثیت کا احمدی ہو۔ اسے

ہتھکڑی لگا لینا

پھر میں دیکھ لوں گا۔ اس سے مراد سوائے خلیفہ کے یا ناظروں کے اور کون ہو سکتا ہے۔ مگر کیا پچھلی ہسٹری بتاتی ہے کہ ان کی مسجدوں میں کبھی خلیفہ گیا۔ اگر نہیں تو سوائے اس کے کہ جماعت احمدیہ کی

بلا وجہ دلآزاری

کی جائے۔ ان الفاظ کا اور کیا مطلب تھا۔ جہاں مجسٹریٹ کسی کی ہتک کرتے ہوں۔ وہاں لوگوں کے اخلاق کہاں درست رہ سکتے ہیں۔ پھر اگر

بڑی سے بڑی حیثیت

سے مراد جماعت کا خلیفہ نہیں تو کیا ناظر مراد ہیں مگر کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ وہاں ناظر جایا کرتے ہیں یا نائب ناظر جایا کرتے ہیں یا نائب ناظر نہ سہی۔

مختلف صیغوں کے انچارج

ہی وہاں جایا کرتے ہیں۔ اگر وہ بتا دیں گے تو ہم ان کا حق سمجھ لینگے۔ کہ انہوں نے جو کچھ کہا درست کہا۔ لیکن اگر ہمارے چھوٹے چھوٹے افسر بھی ان کی مسجدوں پر قبضہ کرنیکے جرم کے کبھی مرتکب نہیں ہوئے۔ تو اسے احمدیوں کا حملہ قرار دینا۔ اور کہنا کہ اگر بڑی سے بڑی حیثیت کا احمدی بھی آجائے۔ تو اسے ہتھکڑی لگا لو۔ سوائے دلآزاری کے اور کیا مطلب رکھتا ہے گورنمنٹ بتلائے کہ

سکھوں کے گردواروں اور ہندوؤں کے مندروں کے متعلق

آئے دن جو جھگڑے ہوتے رہتے ہیں ان میں کیا یہی کہا جاتا ہے کہ اگر بڑے سے بڑی حیثیت کا آدمی بھی آئے تو اسے ہتھکڑی لگا لو۔ کیا سرکار کے

دو قسم کے حکم

ہوا کرتے ہیں۔ ایک معمولی لوگوں کے لئے۔ اور ایک بڑے لوگوں کے لئے۔ اگر دو قسم کے حکم ہوں۔ تب تو ان الفاظ کی تکرار کی ضرورت تھی۔ اور اگر ایک ہی حکم ہوتا ہے۔ تو ان الفاظ کا دلآزاری کے سوا اور کیا مطلب ہے۔ گورنمنٹ کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی گئی۔ یعنے ڈپٹی کمشنر صاحب کو

تفصیلی حالات

لکھ دیئے گئے۔ مگر انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ حالانکہ اس واقعہ میں ہیڈ کنسٹیبل کی بھی شرارت تھی۔ کہ اس نے بلاوجہ احمدیوں کو ملوث کیا۔ اور جھوٹی تار دی۔ جو خود ایک جرم ہے۔ اور مجسٹریٹ کی بھی غلطی تھی۔ کہ اس نے

جماعت احمدیہ کی ہتک

کی۔ اور مسجد سے لوگوں کو روکا۔ جس کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کئی ہائی کورٹ مساجد کے متعلق واضح فیصلے کر چکے ہیں۔ پھر ان کے خلاف حکم دینے کا مجسٹریٹ کو کہاں سے حق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر اسے بھی کوئی سرزنش نہیں ہوئی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ہتک میں

بعض اعلےٰ حکام کا ہاتھ

تھا۔

وہ غیر احمدی جو جمعہ کے لئے اکٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب انہوں نے کہا۔ کہ ہم احراریوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ

محض شرارت کے لئے

قادیان آئے ہیں۔ تو مجسٹریٹ نے کہا۔ میں تم کو اس مسجد میں جمعہ پڑھنے نہیں دوں گا۔ کیونکہ اس سے فساد ہوتا ہے۔ حالانکہ روکنا فساد کرنے والوں کو چاہیئے تھا۔ پھر جبکہ یہ لوگ قادیان کے ایک دوسرے سرے پر نماز پڑھ رہے تھے۔ تو فساد کا احتمال کس طرح ہو سکتا تھا۔ جب ان غریبوں نے کہا۔ کہ ہم

احراریوں کے پیچھے نماز

نہیں پڑھ سکتے۔ اور اس مسجد میں نماز پڑھنے کی آپ اجازت نہیں دیتے۔ تو ہم کہاں جمعہ ادا کریں۔ تو مجسٹریٹ نے کہا۔ کہ

کھیتوں میں جا کر پڑھو

انہوں نے کہا۔ کہ کھیت تو احمدیوں کے ہیں۔ تو انہیں کہا گیا کہ جہاں چاہو پڑھو۔ مگر اس مسجد میں مت پڑھو۔ حالانکہ وہ غریب آدمی ہیں تو مسجد کے سوا اتنی جگہ کہاں سے لائیں۔ مگر انہیں یہی کہا گیا۔ کہ یا تو احراریوں کے ساتھ جمعہ ادا کرو۔ یا کسی اور جگہ پڑھو۔ بہر حال اس مسجد میں نہ پڑھو۔ اس کے بعد اس مسجد پر جمعہ کے دن پولیس کے آدمی متعین ہوئے۔ کہ کسی کو جمعہ نہ پڑھنے دیں۔

ان واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ گورنمنٹ خود

احراریوں کی مدد

کر رہی ہے۔ اور وہ دوسرے مسلمانوں کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ بھی احراریوں کے پیچھے نماز پڑھیں۔ کیونکہ قادیان کے وہ دوسرے مسلمان جو جمعہ کی قیمت سمجھتے ہیں۔ جب جمعہ پڑھنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ تو سوائے اس کے ان کے لئے اور کوئی صورت نہ ہوگی۔ کہ وہ احراریوں کی مسجد میں جائیں اور اس طرح ہمارے مخالفوں کا منشار پورا ہو۔ کہ لوگوں کے دل ہمارے خلاف باتیں سن سن کر ہماری

دشمنی کے خیالات

سے بھر جائیں۔

غرض اس واقعہ سے ثابت ہے۔ کہ گورنمنٹ کے بعض افسر لوگوں کو مجبور کر کے احرار کے ساتھ لگانا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہاں سے اشتعال پکڑ کر وہ فساد کریں۔

اب یہ

حکومت کا فرض

ہے۔ کہ وہ ان افسروں کی تفتیش کرے۔ اور اگر امن کی کوئی قیمت اس کے دل میں ہے۔ تو انہیں سزا دے۔ اور یہ بھی غور کرے۔ کہ ڈپٹی کمشنر صاحب اس موقعہ پر کیوں خاموش ہیں۔ اور کیوں ان کی نگرانی میں یہ حرکات ہو رہی ہیں۔

نواں واقعہ

بھی ایسا ہے۔ کہ اس کا خیال کر کے حیرت آتی ہے۔ اور حکومت کی خاموشی کو دیکھ کر یہی خیال کرنا پڑتا ہے۔ کہ شائد اسے صحیح واقعات کی اطلاع نہیں دی گئی۔ ورنہ میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اس قدر جھوٹ بولا جائے۔ اور اس کی تردید نہ کی جائے۔ یہ تو ممکن ہے۔ کہ

کوئی خاص افسر سلسلہ کا مخالف

ہو۔ مگر یہ میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ تمام اعلےٰ حکام اس مرض میں مبتلا ہوں۔ بعض لوگ شبہ کرتے ہیں۔ کہ ایک اعلےٰ افسر کی سابق گورنر صاحب کے وقت میں

ایک معزز احمدی سے لڑائی

ہوئی تھی۔ اور وہ اس کا غصہ جماعت احمدیہ سے نکال رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ شبہ درست ہو۔ تو ایک افسر تک محدود رہتا ہے۔ میں نہیں مان سکتا۔ کہ اس قدر صریح جھوٹ میں بہت سے اعلےٰ حکام شامل ہو سکیں۔ خود

ہز ایکسی لنسی گورنر

سے ہمارے دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ جب وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں تھے۔ تو میری چائے کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ دردؔ صاحب بھی ان سے اکثر ملتے رہے تھے۔ اور خانصاحب فرزند علی صاحب کو بھی وہ ولایت میں نہایت محبت سے ملے تھے۔ بلکہ انہوں نے ولایت میں خان صاحب کو اپنے گھر پر مدعو کیا تھا۔ اور لنچ کھلایا اور چائے پلائی تھی۔

یہ تمام حالات ہمیں مجبور کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک اتنے بڑے افسر پر جنہیں ملک معظم نے صوبہ بھر کے لئے اپنا نمائندہ تجویز کیا۔ اعتماد کریں۔

دوسرے افسر

بھی ایسے نہیں۔ کہ ہمیں ان پر کوئی شبہ کی وجہ ہو۔ ان میں ہندو بھی ہیں۔ اور سکھ بھی اور مسلمان بھی اور سب سے ہمارے ایسے تعلقات رہے ہیں۔ کہ ہم کسی پر بھی شک کرنے کی وجہ نہیں پاتے۔ پس ہم سب پر الزام نہیں لگا سکتے۔ اور نہ یہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اگر کوئی دشمن حکومت میں موجود نہیں۔ تو اسقدر

صریح ظلم

کس طرح ہو رہا ہے۔ پس ہمارے لئے یہی راستہ کھلا ہے۔ کہ ہم کہیں کہ حکومت میں ہمارا کوئی دشمن ہے۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ کون ہے۔ ہاں چونکہ بعض ظلم گورنمنٹ کے نام پر کئے گئے ہیں۔ ہم یہ کہنے پر حق بجانب ہیں۔ کہ گورنمنٹ نے ہم سے انصاف کا معاملہ نہیں کیا۔

یہ واقعہ جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

عجیب واقعہ

ہے۔ ہم بالکل بے خبر بیٹھے تھے۔ کہ ایک پنجاب پولیس کے اعلےٰ افسر قادیان آئے۔ اور مجھ سے بھی ملنے آ گئے۔ انہوں نے دوران گفتگو میں مجھ سے ذکر کیا کہ رپورٹ ہوئی ہے۔ کہ

احمدیوں نے نیزے تیار کئے ہیں

اور ایک نیزہ پولیس نے پکڑ کر بطور نمونہ بھجوایا بھی ہے۔ میں اس خبر کو سنکر حیران رہ گیا۔ کیونکہ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ اور میں نے

ناظر صاحب کار خاص

سے جو اس وقت پاس تھے۔ اس کی حقیقت پوچھی۔ انہوں نے بتایا۔ کہ ایک ڈیرہ غازی خان کا طالب علم تجاری کا کام یہاں سیکھتا ہے۔ اس نے ایک لوہار دوست سے مل کر ایک

کھڈ سٹک

یہاں بنوائی تھی۔ جسے یہاں کی پولیس نے نیزہ قرار دے کر رپورٹ کر دی۔ کہ احمدی نیزے بنوا رہے ہیں۔ اور پھر اپنے طور پر یا اوپر کے حکام کے ایما سے اس کھڈ سٹک کو زبردستی چھینکر اوپر بھجوا دیا۔ کہ یہ ایک نمونہ ان نیزوں کا ہے۔ اس گفتگو کے چند دن بعد میں یہ خبر اخبارات میں پڑھ کر حیران رہ گیا۔ کہ

قادیان سے نیزوں کی برآمد

ہوئی ہے - یہ خبر الیسوشی ایٹڈ پریس نے بذریعہ تار سب اخبارات کو ارسال کی تھی۔ اور اس ایجنسی کو عموماً حکومت کی طرف سے خبریں مہیا کی جاتی ہیں - پس ہمیں اس بات پر یقین کرنا پڑتا ہے - کہ یہ خبر حکومت ہی کے بعض افسروں کی طرف سے اسے ملی تھی۔

جس وقت مذکورہ بالا پولیس افسر نے اس کھنڈ سٹک کا مجھ سے ذکر کیا۔ تو مَیں نے اُن سے کہا تھا۔ کہ آپ

سب احمدی گھروں کی تلاشی

لے کر دیکھ لیں - کہ وہاں کس قدر اسلحہ ناجائز طور پر موجود ہے - انہوں نے کہا کہ ہم یُوں تو تلاشی نہیں لے سکتے - لیکن میں نے کہا کہ میں جانتا ہوں - آپ قانوناً تلاشی نہیں لے سکتے - لیکن میں جب جماعت کی طرف سے آپ کو اجازت دیتا ہوں - تو پھر تو

قانون کی خلاف ورزی

نہیں ہوتی - مگر انہوں نے یہ جواب دیا - کہ نہیں - جب آپ کہتے ہیں - کہ ایسا نہیں ہے - تو آپ کی زبان سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے :-

اسی طرح ان خیالی نیزوں کے ذکر پر سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور سے مرزا شریف احمد صاحب نے جب کہا کہ نیزہ نکلا ہے - تو آپ مقدمہ کیوں نہیں چلاتے - تو انہوں نے کہا - کہ اصل بات یہ ہے - کہ اس کا لوہا مقررہ لمبائی سے چھوٹا ہے - اس لئے وُہ قانوناً

نیزہ نہیں بلکہ کھنڈ سٹک

ہے - مگر باوجود اس کے کہ ایک کھنڈ سٹک ایک ایسے شخص کے پاس تھی - جس کا پیشہ ہی ایسی اشیاء تیار کرنا ہے - اور باوجود اس کے کہ اس کھنڈ سٹک کا لوہا نیزہ کی تعریف میں نہیں آ سکتا - اور باوجود اس کے کہ وُہ صرف ایک ہی نیزہ تھا اور باوجُود اس کے کہ

حکومت کو چیلنج کیا گیا

کہ وُہ مقدمہ چلائے - اور اس نے مقدمہ نہیں چلایا - اور باوجود اس کے کہ میں نے پولیس کو دعوت دی - کہ وُہ ہمارے گھروں کی تلاشیاں لے کر دیکھ لے - کہ کیا نیزے ہمارے گھروں میں پوشیدہ ہیں - اور انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا سب ہندوستان میں یہ خبر مشہور کر دی گئی - کہ قادیان سے نیزوں کی برآمد ہُوئی ہے - اور حکومت نے آجتک اس کی تردید نہیں کی :-

ہر شخص جو واقعات سے آگاہ ہے - جانتا ہے - کہ یہ جھوٹ ہے - کہ قادیان سے نیزہ پکڑا گیا - اور یہ اور بھی جھوٹ ہے کہ قانون سے نیزوں کی برآمد ہوئی - قادیان میں ایک شخص کے پاس ایک کھنڈ سٹک تھی - جو

ظلماً اور تعدّی سے

بلا حق کے پولیس نے جبراً اس سے چھین لی - اور پھر جھوٹ بول کر اس کا نام نیزہ رکھدیا گیا - اور اس کے بعد جھوٹ بول کر اس ایک کھنڈ سٹک کو نیزے قرار دے دیا گیا - یہ اس قدر

صریح جھوٹ اور سفید جھوٹ

ہے - کہ انسانی فطرت اس کا خیال کر کے بھی گھن کھاتی ہے اس طرح ایک امن پسند اور قانون کی پابندی کرنے والی جماعت کو ذلیل کرنے کی کوشش کر کے حکومت کے نمائندوں نے

ایک نہایت گندی مثال

قائم کی ہے - ایک فساد کا دروازہ کھول دیا ہے - اگر حکومت ہی جھوٹ پر اُتر آئے - تو دُوسرے لوگ جو اخلاق میں کمزور ہیں - کیوں اس گند میں مبتلا نہ ہونگے - پس ان افسروں نے

حکومت کی وقعت

کو کم کر دیا ہے - اس کے نام پر دھبّہ لگایا ہے - اور اس کے اعتبار کو صدمہ پہونچایا ہے - بھلا بتاؤ - کل کو کانگرس والوں کے خلاف حکومت نے اعلان کیا - تو ہماری جماعت جو پہلے اس کے اعلانوں کو فوراً تسلیم کر لیا کرتی تھی - اب کس نظر سے دیکھے گی - اب کیا ہماری جماعت کے لوگ ایسے اعلانوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ کہہ اٹھا کریں گے - کہ یہ بھی نیزوں جیسی خبر ہے - اس میں کوئی شک نہیں - کہ

الیسوشی ایٹڈ پریس کی خبر

گورنمنٹ کے کسی افسر کی طرف منسُوب نہیں - لیکن جبکہ مقامی اور بیرونی حکام سے ہم نے اس خبر کو اسی رنگ میں سُنا ہے اور جبکہ گورنمنٹ نے اس کی تردید بھی نہیں کی - ہم مجبُور ہیں کہ اس خبر کو گورنمنٹ حلقوں سے نکلی ہُوئی سمجھیں لیکن میں حکومت کو چیلنج دیتا ہوں - کہ اگر اس خبر میں صداقت ہے تو وُہ ان آدمیوں کے نام شائع کرے - جن کے پاس سے نیزے نکلے ہیں - اور ان نیزوں کی تعداد شائع کرے - اور پھر ہمیں اجازت دے کہ اس خبر کے شائع کرنے والے کے خلاف ہم

عدالتی چارہ جوئی

کریں - اگر اس کے نتیجہ میں حکومت کے نمائندوں کو فتح ہو گئی - تو ہمارا جھُوٹ ثابت ہو جائے گا - ورنہ حکومت کو معلوم ہو جائے گا - کہ اس کے بعض کل پرزے اس وقت

نہایت خراب اور گندے

ہو گئے ہیں - اور اسے پُرانی مشینری کی طرح کامل صفائی اور مرمت کی ضرورت ہے - اگر حکومت نے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا - تو وُہ یاد رکھے - کہ آئندہ اُس کی بات پر اعتبار کرنا لوگوں کیلئے مشکل ہو گا - اور جُوں جُوں یہ بات لوگوں میں پھیلے گی - وُہ حیران ہونگے - کہ حکومت نے اپنے افسروں سے

اس قدر بڑا جھُوٹ

دیکھ کر کیونکر خاموشی اختیار کی - جبکہ اس کے برخلاف اگر حکومت سچ کی تائید کرے - تو اس کی بدنامی نہیں - بلکہ نیک نامی ہو گی - اور ذلت نہیں - بلکہ عزت ہو گی - اور اس کی باتوں کا اعتبار پھر سے قائم ہو جائے گا :-

دسواں واقعہ

پھر یہ عجیب بات ہے - کہ ہم جو گورنمنٹ کی ہمیشہ سے اطاعت اور فرمانبرداری کرتے چلے آئے ہیں - ہمارے متعلق گورنمنٹ کے

عجیب و غریب خیالات

ہیں - گورنمنٹ پنجاب کے ایک ذمہ وار سکرٹری نے سلسلہ کے ایک سکرٹری سے کہا - کہ آپ لوگ پیرالل گورنمنٹ یعنے

متوازی حکومت

قائم کر رہے ہیں - اور اس کا ثبُوت یہ دیا - کہ ہمیں معلُوم ہُوا ہے - کہ آپ لوگ اپنی جماعت کے مقدمات سُنتے ہیں ہمارے سکرٹری نے کہا - کہ اس میں کیا غضب ہو گیا گورنمنٹ تو آپ یہ اعلان کرتی رہتی ہے - کہ لوگوں کو اپنے مقدمات آپ فیصلہ کرنے چاہئیں - عدالتوں میں نہ آنا چاہیئے - مگر یہ عجیب بات ہے - کہ ایک طرف تو گورنمنٹ یہ کہتی ہے کہ اپنے مقدمات کا

گھروں میں فیصلہ

کرنا چاہیئے - اور دُوسری طرف وُہ جماعت جو مقدمات کا اپنے گھروں میں فیصلہ کرتی ہے - اس کے متعلق کہتی ہے - کہ وُہ پیرالل گورنمنٹ قائم کر رہی ہے - یا تو گورنمنٹ یہ نہ کہتی کہ اپنے گھروں میں مقدمات کا فیصلہ کیا کرو - یا پھر اس کی اجازت کے ماتحت گھروں میں جھگڑوں کا تصفیہ کرنے والوں پر یہ الزام نہیں لگانا چاہیئے - اگر یہ کہا جائے - کہ ہم

قابل دست اندازی پولیس

والے فوجداری مقدمات سُنتے ہیں - تو یہ صریح غلط اور خلاف واقعہ ہے - ہاں ہم یہ مشورہ ضرور دیتے ہیں - کہ ہر جھگڑے کے متعلق سلسلہ کے کارکنوں سے مشورہ کر لو - جو پولیس کے دائرہ میں آتے ہیں - ان کو پولیس میں لے جانے کی وہ مدایت کریں گے - اور جن مقدمات کا گھر میں فیصلہ کر لینے کی قانون اجازت دیتا ہے - ان کا وُہ گھر میں فیصلہ کر دیں گے - اور یہ جرم

ہم ہی نہیں کرتے ۔ سب اس جرم کے مرتکب ہیں ۔ حتیٰ کہ

بڑے سے بڑے انگریز افسر

بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ۔ بچے گھروں میں بلا پوچھے چیز اٹھا لیتے ہیں ۔ لفظاً یہ چوری ہے ۔ نوکر کوئی چھوٹی موٹی چیز اٹھا لیتا ہے ۔ یہ بھی چوری ہے ۔ مگر کوئی انگریز افسر بھی ایسا ہے ۔ جو یہ کہے ۔ کہ وہ اس پر پولیس کے ذریعہ سے کارروائی کرواتا ہے ۔ عام طور پر ایسے واقعات میں لوگ نوکروں کو جرمانہ کر دیتے ہیں ۔ اور بچوں کے ذرا کان کھینچ کر چھوڑ دیتے ہیں ۔ اسی قسم کے مقدمات اور وہ بھی چوری کے نہیں ۔ بلکہ بچوں وغیرہ کی عام مارپیٹ کے مقدمات ہماری جماعت میں بھی سن لئے جاتے ہیں ۔ پھر نہ معلوم اس کا نام متوازی حکومت کس طرح رکھا گیا ۔ اور کس محاورہ کے مطابق رکھا گیا ۔ اگر یہ الزام ہم پر درست ہے ۔ تو

ہر انگریز

جس کا لڑکا بغیر پوچھے چاکولیٹ کھا گیا ہو ۔ یا ہر انگریز ۔ جس کے باورچی نے اس کی اجازت کے بغیر ایک انڈے کا استعمال کر لیا ہو ۔ اور اس نے اسے پولیس میں نہ بھیجا ہو متوازی حکومت قائم کرنے والا قرار پائے گا ۔ اور اس

نئی اصطلاح

کے ماتحت ہر گھر میں ہی ایک متوازی حکومت کا پتہ چل جائے گا ۔ اور شائد نیزوں والی خبر کے اصول پر ایسوشی ایٹڈ پریس کو یہ تار دینے کا حق حاصل ہو جائے ۔ کہ ہندوستان میں ایک

گہری سازش کا انکشاف

ہوا ہے ۔ اور معلوم ہوا ہے ۔ کہ اندر ہی اندر ہزاروں حکومت کو الٹنے والی سازشیں ہو رہی ہیں ۔ اور متوازی حکومتیں قائم ہو رہی ہیں ۔ مگر کیا یہ درست ہوگا ۔ کہ

پھر باامن شہریوں پر ایسے الزام لگانے سے یقیناً حکومت مضبوط نہیں ہو سکتی ۔ بلکہ کمزور ہوتی ہے ۔ اور لوگوں کا حکومت پر سے اعتبار اٹھتا ہے ؛

دوسرا ثبوت

ان صاحب نے ہماری متوازی حکومت کا یہ دیا ۔ کہ تم مقدمات کے تصفیہ کے لئے لوگوں کو بلاتے وقت سمن جاری کرتے ہو ۔ اور مدعی اور مدعا علیہ کے الفاظ لکھتے ہو ۔ حالانکہ سمن کے معنی بلانے کے ہیں ۔ اور مدعی اور مدعا علیہ ہماری عربی زبان کے الفاظ ہیں ۔ جو مسلمانوں ہی سے لئے گئے ہیں ۔ ہماری شریعت میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔ پھر کیا اب ہماری اپنی

شریعت کے الفاظ

استعمال کرنے سے بھی ہمیں روکا جائے گا ۔ کوئی غور کر کے بتائے کہ مدعی اور مدعا علیہ کے الفاظ لکھنے سے ہم متوازی حکومت قائم کرنے والے کس طرح بن گئے ۔ جو

سمن جاری کرنے کا الزام

ہم پر لگایا گیا ہے ۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ اول تو یہ لفظ ہی ہمارے ہاں استعمال نہیں ہوتا ۔ صرف غلطی سے چند کاغذات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ۔ ورنہ ہماری

قضا کے محکمہ میں

ہرگز یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا ۔ ہمارے ہاں طریق یہ ہے کہ سادہ چٹھی لکھی جاتی ہے ۔ اور جسے بلانا ہو ۔ اسے بلا لیا جاتا ہے ۔ خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب انگریزی نوکری کرتے ہوئے آئے ہیں ۔ انہوں نے بعض مواقع پر غالباً سمن کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ لیکن وہ محکمہ قضا میں نہیں ۔ بلکہ امور عامہ میں کام کرتے ہیں ۔ جس طرح کہتے ہیں ۔ کہ کوئی شخص

نیا نیا مسلمان

ہوا تھا ۔ جب لوگ کسی بات پر خوش ہوتے ۔ تو وہ سبحان اللہ کہتے مگر وہ رام رام کہنا شروع کر دیتا ۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ رام رام کیوں کہتے ہو تم تو مسلمان ہو ۔ تو اس نے کہا ۔ اللہ اللہ گھستے ہی گھسے گا ۔ اور رام رام نکلتے ہی نکلیگا ۔ خانصاحب نے ساری عمر انگریزی نوکری کی ۔ انہوں نے اگر سمن کا لفظ استعمال کر لیا ۔ تو یہ کوئی الزام کی بات نہیں تھی خصوصاً جبکہ سمن کے معنے بلانے کے ہوتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں سمن کا لفظ نہیں ہوتا ۔ پھر مدعی اور مدعا علیہ کے الفاظ ہماری اپنی زبان کے ہیں ۔ اگر ہم اپنی بولی نہ بولیں ۔ تو اور کیا کریں ۔ پس

ہمارا جرم

صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی زبان کے چند الفاظ استعمال کئے اس میں شبہ نہیں ۔ کہ ہم لوگوں کے مقدمات سنتے ہیں مگر ان کی مرضی سے کوئی اگر انہیں اپنی جماعت میں شامل نہیں کرتا ۔ پس جب وہ اپنی مرضی سے ہمارے سامنے مقدمات پیش کرتے ہیں ۔ اور ایسے مقدمات جن کے پرائیویٹ تصفیہ کی حکومت نے اجازت دے رکھی ہے تو ان کا تصفیہ متوازی حکومت کس طرح کہلا سکتا ہے ۔ آئندہ کے لئے حکومت یہ فیصلہ کر دے ۔ کہ دیوانی مقدمات میں بھی سمجھوتے کرانے ناجائز ہیں اور معمولی چھیڑ چھاڑ اور معمولی مارپیٹ کے واقعات بھی ضرور

گورنمنٹ کی عدالت میں

لانے چاہیئے ۔ تو اس کے بعد ایک کیس بھی ہم سن جائیں ۔ تو وہ متوازی حکومت کا الزام ہم پر لگا سکتی ہے ۔ لیکن جب ایک طرف وہ مقدمات سننے کی اجازت دیتی ہے ۔ تو پھر دوسری طرف اس کا یہ الزام لگانا کسی صورت میں بھی درست نہیں ہو سکتا ۔ اور لوگوں کو یہ الزام لگانے کا موقعہ ملتا ہے کہ حکومت اپنے اعلانات میں سچ سے کام نہیں لیتی ۔

گیارھواں واقعہ

یہ ہے ۔ کہ کہا گیا ۱۹۳۳ء میں دریائے بیاس پر احمدیہ کور کے بعض نوجوان ٹریننگ کے لئے گئے ۔ اور انہوں نے وہاں پر

رائفل شوٹنگ

کیا ۔ اور یہ بات اتنے وثوق سے بیان کی گئی ۔ کہ جماعت احمدیہ کے ایک سکرٹری سے حکومت پنجاب کے ایک ذمہ وار افسر نے اس کا ذکر جماعت کے متعلق شبہ کے طور پر کیا ۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹی رپورٹ اور بے بنیاد بات تھی ۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے ۔ کہ قادیان کے کسی کانسٹیبل نے یہ رپورٹ کی حالانکہ قادیان کے کانسٹیبل کا بیاس کے اس علاقہ سے جہاں ہمارے لوگ سیر کو جاتے ہیں ۔ کوئی تعلق نہیں ۔ وہاں کا تھانہ الگ ہے ۔ جو سری گوبند پور ہے ۔ اگر دریائے بیاس کے اس مقام پر رائفل شوٹنگ ہو ۔ تو تھانہ اتنا نزدیک ہے ۔ کہ وہاں اس کی آواز بھی پہنچ سکتی ہے ۔ اس کے علاوہ پولیس کے آدمی گشت بھی لگاتے رہتے ہیں ۔ لیکن وہاں کی پولیس کو تو کچھ پتہ نہ لگا ۔ اور یہاں کی پولیس کے کانسٹیبل نے جھٹ رپورٹ کر دی ۔ اس پر پولیس کے اعلیٰ افسروں نے مقامی سب انسپکٹر کے ذریعہ سے تحقیقات کرائی ۔ اور سب پر تحقیقات کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ۔ کہ رپورٹ بالکل جھوٹی تھی ۔ اور وہ اس امر کو تسلیم کر گئے ۔ مگر

گورنمنٹ کے ذمہ وار افسر

ڈیڑھ دو سال کے بعد سلسلہ کے ایک ذمہ وار افسر سے شکایت کرتے ہیں کہ تمہاری طرف سے دریائے بیاس پر رائفل شوٹنگ کیا گیا ۔ گو ایک اور اعلیٰ

سرکاری افسر

نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب سے کہا ۔ کہ اس واقعہ کی تردید ہو چکی ہے ۔ مگر سوال یہ ہے ۔ کہ درمیانی افسروں نے یہ کیوں کہا ۔ اگر تردید ہو چکی تھی تو انہوں نے تردید کے باوجود اسے کیوں دہرا لیا ۔ اور اگر انہیں علم نہ تھا ۔ تو اس کا علم انہیں کیوں نہ دیا گیا ۔ پھر اس سپاہی کو کیوں سزا نہ دی گئی ۔ جس نے بلا وجہ ہماری جماعت پر یہ بہتان باندھا ۔ مگر اتنا بڑا اتہام سننے کے باوجود گورنمنٹ کے افسر اسے بیکار کر کے چلے گئے ؛

بارھواں واقعہ

یہ ہے۔ کہ جلسۂ احرار کے موقعہ پر ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور
ہرچووال اترے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جماعت کے
چند افراد کو بلوایا۔ اور گفتگو میں جب میرا ذکر کرتے۔ تو دی مرزا
دی مرزا (the Mirza) کہہ کر ذکر کرتے۔ اس پر
ہماری جماعت کے ایک سکرٹری نے چند بار سننے کے بعد ان
سے کہا۔ کہ صاحب آپ ہندوستانی ہیں۔ اگر آپ انگریز
ہوتے۔ تو آپ کو معذور سمجھا جاسکتا تھا۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ
ہم ان کو اپنا

امام اور خلیفہ

مانتے ہیں۔ اور آپ کے ان کو صرف مرزا کہنے سے بڑا دکھ
محسوس کرتے ہیں۔ خانصاحب فرزند علی صاحب۔ میاں بشیر احمد
صاحب اور سید محمود اللہ شاہ صاحب

حلفیہ بیان

دے سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے اس کے جواب میں کہا۔ میں اس
کے متعلق آپ لوگوں کو کچھ زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ آپ نے جو کچھ
کہنا ہے۔ کمشنر صاحب سے کہیں۔ جس کا سوائے اس کے اور
کوئی مطلب نہ ہوسکتا تھا۔ کہ کمشنر صاحب نے انہیں اجازت
دے رکھی ہے۔ کہ وہ ہماری اور ہمارے سلسلہ کی ہتک کریں۔
ڈپٹی کمشنر صاحب کے متعلق ایک اور موقعہ پر بھی دیکھا گیا ہے۔
کہ جب وہ ہماری جماعت کے ذمہ وار افسروں سے ملنا چاہتے۔
تو کہتے میں نے فرزند علی سے ملنا ہے۔ شریف احمد سے ملنا ہے۔

اخلاق کا برتاؤ

کسی قانون کے ماتحت نہیں ہوتا۔ کونسا قانون ہمیں مجبور کرتا
ہے۔ کہ ہم ڈپٹی کمشنر کو مسٹر کہا کریں۔ ہمارے ہندوستانی ہمیشہ
بات کرنے وقت صاحب یا جناب کہنے کے عادی ہیں۔ پس اگر
ان احساسات کو مدنظر نہ رکھا گیا۔ اور یہ کھیل کھیلنی شروع کردی
گئی۔ تو ہماری جماعت سے بھی وہ توقع نہیں رکھ سکیں گے۔ کہ ہم

آداب کے ساتھ

ان کا نام لیا کریں۔ اس صورت میں بالکل ممکن ہے۔ کہ ہم اگر
کوئی مرہٹہ ہو۔ تو اس کو کہدیں او مرہٹے۔ اور پنڈت ہو۔ تو او
پنڈت یا لالہ ہو۔ تو او لالے کہدیں۔ پس اگر وہ ہمارے جذبات
کے ساتھ کھیل سکتے ہیں۔ تو ہم بھی انہیں پنڈت اور لالہ کہہ سکتے
ہیں۔ لیکن یہ کھیل اگر کھیلا گیا۔ تو بڑا گندہ کھیل ہوگا۔ اور اخلاق
سے سخت گری ہوئی بات ہوگی۔ اور اس کے نتائج ایسے خطرناک
نکلیں گے۔ کہ نہ صرف لوگوں کے اخلاق بگڑیں گے۔ بلکہ

گورنمنٹ کا نظام

بھی اس سے خراب ہوگا۔

تیرھواں واقعہ

یہ ہے۔ کہ یہاں پر ایک احمدی کانسٹیبل متعین ہوا۔ مگر چند ہی
دنوں کے بعد اسے یہاں سے بدل دیا گیا۔ احراریوں کے
ہم مذہب کانسٹیبل یہاں ڈیڑھ ڈیڑھ سال سے کام کر رہے
ہیں۔ مگر انہیں تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اول تو قادیان ہماری جماعت
کا مرکز ہے۔ اور چونکہ اس میں ہماری جماعت کی کثرت ہے۔
اور ہماری وجہ سے ہی قادیان کو ترقی حاصل ہو رہی ہے۔
اس لئے ہم یہ مطالبہ کرسکتے تھے۔ کہ جیسے ننکانہ صاحب میں
سکھوں سے وعدہ کرلیا گیا ہے۔ کہ وہاں ہمیشہ ایک سکھ تھانیدار
رہا کرے گا۔ اسی طرح ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے
ہمیں ننکانہ صاحب میں مستقل طور پر سکھ تھانیدار کے مقرر
ہونے پر کوئی رنج نہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔

چشم ما روشن دل ما شاد

لیکن جس طرح ننکانہ صاحب سکھوں کا ایک

مقدس مقام

ہے۔ اسی طرح ہمارا بھی یہ مقدس مقام ہے۔ اور جسطرح وہاں
کثرت سے

سکھوں کی جائدادیں

ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہماری جماعت کی کثرت سے جائدادیں
ہیں۔ غرض وہ ساری باتیں جو ننکانہ صاحب میں سکھوں کو حاصل
ہیں۔ وہ احمدی افراد کو قادیان میں حاصل ہیں۔ پس یہاں کم از کم
پولیس کا ایک حصہ مستقل طور پر احمدی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر
لطیفہ یہ ہے۔ کہ ایک کانسٹیبل آیا۔ اور اسے بھی فوراً تبدیل
کردیا گیا۔ جو صاف بتاتا ہے۔ کہ احمدیہ جماعت پر اعتماد نہیں
کیا جاتا۔

چودھواں واقعہ

یہ ہے۔ کہ اسی جلسہ احرار کے موقعہ پر ایک تھانیدار نے رپورٹ
کی۔ کہ احمدی اپنا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی جماعت
کو حکام کی خواہش پر ہدایت کردی تھی۔ کہ احرار کو جاکر لٹریچر نہ
دیا جائے۔ پھر اس کے بعد یہ خیال کرتے ہوئے۔ کہ چونکہ محلوں میں سے
احراری گذرتے ہیں۔ اس لئے اگر انہیں لٹریچر دیا گیا۔ تو ممکن ہے
اس سے بھی کوئی

فتنہ کا دروازہ

کھل جائے۔ اس لئے محلوں میں بھی لٹریچر تقسیم کرنا منع کردیا گیا
تھا۔ مگر احراریوں کے دوستوں نے چونکہ فتنہ کھڑا کرنا تھا۔
اس لئے انہوں نے یہ شکایت کی۔ کہ

احمدیہ لٹریچر

تقسیم کیا گیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں یہ بیان کیا گیا۔ کہ ایک
باوردی تھانیدار کو لٹریچر دیا گیا ہے۔ اگر اسے درست بھی تسلیم
کرلیا جائے۔ تو تھانیدار کو لٹریچر دینے سے احراریوں میں جوش
کس طرح پھیل سکتا تھا۔ جب تک کہ وہ خود در پردہ احراری نہ
ہو۔ میں ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ کہ گورنمنٹ پنجاب کا بھی یہ منشاء
ہو۔ کہ ہم لٹریچر تقسیم نہ کریں۔ کیونکہ ہم

ایک تبلیغی جماعت

ہیں۔ اور ہمیں تبلیغی لٹریچر کی تقسیم سے کسی صورت میں نہیں روکا
جاسکتا۔ لیکن جب ان کی طرف سے کہا گیا۔ کہ لٹریچر تقسیم کیا
گیا ہے۔ تو ہمارے آدمیوں نے کہا۔ کہ ان لوگوں کو پیش کیجئے
جن کو لٹریچر تقسیم کیا گیا ہے۔ اس پر ایک تھانیدار کو پیش
کیا گیا۔ کہ اسے لٹریچر دیا گیا ہے۔ اور جب اس سے پوچھا گیا۔
کہ آپ کو کس نے لٹریچر دیا ہے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ مجھے

سید احمد نور صاحب کابلی

نے لٹریچر دیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ وہ خود مدعی نبوت ہیں
اور معذور اور بیمار آدمی ہیں۔ پس ان کا کام ہماری طرف کس
طرح منسوب کیا جاسکتا ہے۔ پھر ممکن ہے۔ ان کا نام بھی یونہی لے
لیا گیا ہو۔ اور جسے لٹریچر قرار دیا گیا ہے۔ وہ ان کی کسی دوائی
کے ساتھ کوئی اشتہار ہو۔ مگر بہرحال جب سلسلہ کے کارکنوں
نے تحقیق کی۔ تو ثابت ہوا۔ کہ یہاں کے چوکیداروں کا جو جمعدار
ہے۔ وہ گو احمدی کہلاتا ہے۔ مگر اس کی کئی شکائتیں پہنچی ہیں
کہ وہ جماعت کے خلاف حرکات کرتا رہتا ہے۔ اس معاملہ کی
ابھی کامل تحقیق نہیں کی گئی۔ مگر اس کے خلاف شکایات ضرور
ہیں۔ اس نے کسی دوکاندار سے جاکر لٹریچر مانگا۔ کہ پولیس والے
مانگتے ہیں۔ اور اس نے آگے اس تھانیدار کو وہ لٹریچر دیا۔
اور اس کا نام فساد کرنا رکھا گیا۔ اور کہا گیا۔ کہ اس سے

احرار کیمپ میں فتنہ

واقع ہوجائے گا۔ اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ وہ
تھانیدار احراری تھا۔ اور فساد پر آمادہ

پندرھواں واقعہ

یہ ہے۔ کہ ہم نے متواتر اعلان کیا تھا۔ کہ احرار کے جلسہ میں
کوئی احمدی نہ جائے۔ اتفاقاً ایک احمدی ننگل کو جا رہا تھا۔ ننگل
کو راستہ

احراریوں کے جلسہ گاہ

کے ساتھ سے ہی جاتا ہے۔ انہوں نے جونہی

ایک احمدی

کو جاتے دیکھا۔ اسے فوراً پکڑ کر پولیس کے پاس لے آئے۔
سید محمود اللہ شاہ صاحب جو اس ڈیوٹی پر مامور تھے
ان کا بیان ہے۔ کہ میں نے جونہی اس کو دیکھا۔
میرے

دل نے گواہی دی

کہ یہ احمدی ضرور ہے۔ اس پر میں نے ان سے پوچھا۔

کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں

ست کوہا کا باشندہ

ہوں۔ پھر میں نے تھانیدار سے پوچھا ست کوہے کدرا سنہ کہاں سے جاتا ہے۔ تو اس نے بے اختیار کہا۔ کہ احراری کیمپ کے عین اوپر سے۔ اس پر میں نے بالا افسر کو توجہ دلائی۔ کہ دیکھو یہ شخص اپنے گھر جا رہا تھا اور خواہ مخواہ اس پر فتنہ کا الزام لگایا گیا اور یہ امر ان کی سمجھ میں آگیا۔ غرض ادھر تو اتنی شدت برتی جاتی تھی۔ کہ کوئی احمدی اپنے گھر جاتا ہوا بھی احراری کیمپ کے پاس سے نہ گزرے۔ اور ادھر یہ کوشش کی جا رہی تھی۔ کہ کسی طرح بعض احمدیوں کو وہاں بھجوایا جائے میں نے اسی خیال سے یہ حکم دیدیا تھا۔ کہ اگر کوئی احمدی اس جلسہ میں گیا تو میں اس کو

جماعت سے خارج

کردوں گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ ایسا جرم نہیں۔ جس سے کسی شخص کو جماعت سے خارج کیا جائے۔ مگر میں یہ بھی جانتا تھا۔ کہ اس موقعہ پر وہی شخص جائیگا جو منافق ہوگا۔ اور اس کی غرض

جماعت کو بدنام کرنا

ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ بعض مشتبہ آدمیوں کی نسبت رپورٹ آئی۔ کہ وہ احراری کیمپ کی طرف گئے تھے جب مجھے ان کی اطلاع دی گئی تو میں نے ذمہ دار افسروں کو کہا کہ گو جماعت سے نکالنا میرے ہی اختیار میں ہے لیکن جب میں آپ کو اس بارہ میں اختیار دے چکا ہوں تو اپنے اختیار کو آپ برتیں۔ اس پر ذمہ دار کارکن جماعت نے انہیں جماعت سے خارج کر دیا۔ اس پر ان میں سے ایک شخص کے متعلق

ایک مجسٹریٹ نے شکایت کی

کہ میں نے اس شخص کو سرکاری کام پر بھیجا تھا۔ لیکن اسے جماعت سے نکال دیا گیا ہے۔ اس پر جو افسر بالا افسروں کے ساتھ مقرر تھے۔ انہوں نے احتجاج کیا کہ ایک طرف آپ لوگ اس سختی سے ہمیں روکتے ہیں کہ احمدی وہاں نہ جائیں دوسری طرف آپ کے ماتحت احمدیوں کو بلا ہم سے پوچھے ادھر بھجواتے ہیں کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ اس طرح ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض اس واقعہ نے بھی بتا دیا کہ ہمیں اس موقعہ پر بدنام کرنے کی پوری کوشش کی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔

سولہواں واقعہ

یہ ہے کہ ہماری جماعت کے ایک شخص نے گذشتہ دنوں ایک ٹریکٹ لکھا تھا اس کے الفاظ سخت تھے۔ اور گو اس کے مقابلہ میں بیسیوں مثالیں اس امر کی نظر آتی ہیں کہ احمدیوں کو

گندی سے گندی گالیاں

دی گئیں۔ اور ٹریکٹ اور اشتہاروں میں گالیوں کو شائع کیا گیا۔ مگر ہم نے اس ٹریکٹ کو فوراً ضبط کر لیا۔ اور اس کے

خلاف نفرت کا اظہار

کیا۔ حالانکہ دوسرے مسلمانوں نے آج تک اپنے کسی آدمی کے متعلق ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے اس احمدی پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزا دی گئی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق سخت سے سخت الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور گندی سے گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔ مگر کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اور اگر توجہ کی بھی جائے۔ تو

معمولی وارننگ

کر دی جاتی ہے۔ پس سوال یہ ہے۔ کہ قانون دو کیوں ہیں ہمارے متعلق گند اچھالا جائے تو محض وارننگ کی جاتی ہے لیکن اگر ہمارا آدمی کوئی سخت لفظ لکھ دے۔ تو اس پر مقدمہ کھڑا کیا جاتا ہے اور گورنمنٹ نے اس کی سزا کو جرمانہ میں تبدیل کر دیا۔ مگر بہر حال پہلی عدالت نے اس کو قید کی سزا دی یہ

نمونہ مثالیں

ہیں۔ جو میں نے پیش کی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ

(۱) ایک عرصہ سے جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش حکومت کے بعض افسران کی طرف سے کی جا رہی ہے۔

(۲) یہ کوشش چند ماہ سے بہت بڑھ گئی ہے

(۳) ہمارے خلاف جو شکایات کی جاتی ہیں۔ جب وہ جھوٹی ثابت ہو جاتی ہیں۔ تو پھر بھی بعض اعلیٰ افسروں تک انہیں دہراتے رہتے ہیں۔ جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ اصل غرض ہمیں بدنام کرنا ہے نہ کہ حقیقت معلوم کرنا۔

(۴) جماعت کے کارکنوں اور جماعت کو حتیٰ کہ خود امام جماعت احمدیہ کو بلا وجہ پریشان کیا جاتا ہے۔ اور ان کا وقت ضائع کیا جاتا ہے۔

(۵) ہمارے خلاف شرارت کرنے والے سرکاری ملازموں کے متعلق اول تحقیق ہی نہیں کی جاتی۔ اگر تحقیق کی جاتی ہے تو پھر ان کے جھوٹے ثابت ہو جانے پر بھی ان کو سزا نہیں دی جاتی۔ جس سے شرارتیوں کی جرأت بڑھتی ہے۔

(۶) ذمہ دار سرکاری افسر جماعت کے کارکنوں اور امام جماعت احمدیہ کی ہتک کرتے ہیں۔ اور پھر اس پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ بے شک جا کر بالا افسروں سے کہدو۔

(۷) پہلے ہم سے تعاون کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور جب ہم حکام کی بات تسلیم کر لیتے ہیں تو دوسرے افسر ہمارے اس فعل کی تخفیف کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے پر جھوٹ کا الزام لگا دیتے ہیں۔

(۸) سرکاری محکموں میں اگر احمدی ہوں تو ان کے کاموں کو جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس ان امور سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ

حکومت پنجاب میں

بعض ایسے افسر موجود ہیں۔ جن کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ جماعت کو کمزور اور بدنام کیا جائے۔ اب میں جماعت کے سامنے یہ مثالیں رکھ کر کہتا ہوں۔ کہ کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے وہ امید کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے کارکن جماعت کے کاموں کو اسی سرگرمی سے کر سکتے ہیں جس سرگرمی سے انہیں کام کرنے چاہئیں۔ میں نے یہ تفصیل اس لئے بتائی ہے کہ شاید بعض لوگوں کے دل میں خیال گزرتا ہو۔ کہ حکومت سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ اسے جانے دینا چاہیئے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ڈیڑھ سال سے ایسے واقعات متواتر ہو رہے ہیں اور میں نے اوپر

صرف چند مثالیں

بیان کی ہیں۔ ورنہ اور بہت سے واقعات اوپر کے نتائج کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ ایک لمبا سلسلہ ہے جو جماعت پر مصائب و مشکلات کے رنگ میں گذر رہا ہے۔ پس ان حالات کے ماتحت میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ کہ

گورنمنٹ کا فرض ہے

کہ ان افسروں کو ڈانٹے۔ جنہوں نے یہ کام کیا۔ اور ان سے دریافت کرے کہ انہوں نے کیوں ایسا کیا۔ اگر سلسلہ کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہوتا۔ تو یقیناً میں ان معاملات کو دبا دیتا۔ لیکن سلسلہ کی عزت کی حفاظت کے لئے میں اپنی بے آرامی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر آج ان امور کا انسداد نہ کیا گیا۔ تو

سلسلہ کی تحقیر اور تذلیل

بڑھتی چلی جائے گی۔ پس میرا فرض ہے۔ کہ میں آج آپ لوگوں کو کھول کر بتا دوں۔ کہ اب آپ کے

امتحان کا وقت

آپہنچا ہے۔ اب آپ کی قربانیوں کا جائزہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ آخر جو گالیاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روزانہ دی جاتی ہیں۔ کیا وہ

گورنمنٹ کو معلوم نہیں

پھر کیوں گورنمنٹ

ہماری زبان بندی

کرتی ہے۔ اور ہمارے دشمن کو کھلے چھوڑ رہی ہے۔

ہمارے دشمن کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علماء کو اور حضرت مسیحؑ کو گالیاں دی ہیں۔ اور وہ اس کا بدلہ لے رہے ہیں۔ اور مَیں نے سُنا ہے۔ کہ حکومت بھی اس وہم میں مبتلا ہے۔ کہ احمدیوں نے ابتدا کی ہے۔ لیکن یہ

جھوٹ اور صریح جھوٹ

ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں بے شک بعض لفظ موجود ہیں جنہیں سخت کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ جواباً لکھے گئے ہیں پہلے عیسائیوں، آریوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف نہایت سخت اور دلوں کا خون کر دینے والے کلمات استعمال کئے۔ تب بار بار سمجھانے کے بعد جب وہ باز نہ آئے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہاً چند الفاظ استعمال کئے۔ تا انہیں ہوش آئے

اسی طرح علماء نے جب حد سے زیادہ

ناپاک گالیاں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیں۔ اور باوجود شرافت کی طرف بلائے جانے کے ادھر نہ آئے۔ تو آپ نے ان کی اصل تصویر نہایت نرم الفاظ میں ان کے سامنے رکھی۔ اب اگر بغیر حقیقت پر غور کرنے کے گورنمنٹ نے ان تحریروں کو

موجودہ شورش کا موجب

قرار دیا۔ تو ہمیں بھی وہ تحریریں شائع کرنی پڑیں گی۔ جو ان کا موجب ہوئیں۔ اور اس کا جو نتیجہ نکلے گا۔ اس کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ نہ کہ ہم ؛؛

پس

ہم حکومت کو بتا دینا چاہتے ہیں

کہ اگر حکومت نے ان گالیوں کا سدباب نہ کیا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی جاتی ہیں۔ تو ہم قانون کے اندر رہتے ہوئے ایسی تدابیر اختیار کریں گے۔ جو ہمیں اس شر سے محفوظ کر دیں۔ لیکن وہ تدابیر یقیناً حکومت کی مشکلات میں اضافہ کر دیں گی ؛؛

ہمیں جو محبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ حکومت اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ نہ وہ ان خدمات کی قدر کر سکتی ہے۔ جو آپ نے قیام دین کے لئے کیں۔ کیونکہ اس کا جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ

بے نفسی کے معنی

نہیں جانتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ پہلے شخص ہیں۔ کہ جنہوں نے اس امر پر زور دیا کہ ہر مذہب کے لوگوں کو صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنی چاہئیں۔ اور حکومت کو بھی اس قسم کا قانون بنانے کی تحریک کی۔ لیکن بار بار توجہ دلانے کے باوجود نہ پبلک نے اس تحریک کو قبول کیا۔ اور نہ حکومت نے۔ آج ان علماء اور ان کی تائید میں حکومت کو یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گالیاں دی ہیں۔ بار بار توجہ دلانے پر پہلے کیوں ہوش نہ آیا تھا۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گالیاں نہیں دیں۔ انہی کے بھیجے ہوئے بعض تحفے واپس گئے ہیں۔ باقی

تحفوں کا ڈھیر

ہمارے پاس پڑا ہے۔ اگر ضرورت ہوئی۔ تو ان کی بھی نمائش کر دی جائے گی۔ اور اس وقت حکومت کو بھی اور "زمیندار" وغیرہ کی قسم کے لوگوں کو بھی علم ہو گا۔ کہ ظلم کس نے کیا ہے اور یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گالیاں نہیں دیں۔ بلکہ مولویوں اور پادریوں کی گالیوں کا ایک نہایت حقیر حصہ واپس کیا ہے۔ ورنہ جو گالیاں پادریوں اور ان کے ہم نوا مولویوں نے دی تھیں۔ ان میں سے بعض تو شریف آدمی دُہرا بھی نہیں سکتا ؛

اب اگر گورنمنٹ یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہے۔ تو یہ خوشی دیکھ لے۔ اس میں بھی ہمارا نقصان نہیں۔ مگر گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہمارے دلوں میں جو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت

ہے۔ وہ ہرگز اس سے کم نہیں۔ جو عیسائیوں کے دلوں میں حضرت مسیح ناصریؑ کی ہے۔ اور وہ قربانیاں جو مسیح ناصری کے لئے عیسائی کر سکتے ہیں۔ ویسی ہی قربانیاں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے کابل میں اس کا نمونہ دکھا دیا۔ اور ہم میں سے جو شخص

ذرا بھر بھی ایمان

اپنے اندر رکھتا ہو۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اپنی

جان قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار

ہے۔ گورنمنٹ کو کیا معلوم۔ کہ ہماری محبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ کہ گو آپ کو فوت ہوئے پچیس سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے۔ لیکن آج بھی ہمارے دل اس واقعہ کی یاد میں

خون کے آنسو

بہا رہے ہیں۔ اور ہم آج تک اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتے ہیں۔ میں بے شک ان کا لڑکا ہوں۔ مگر میں اکیلا اپنے باپ کا لڑکا نہیں۔ ہر بچہ ماں باپ رکھتا ہے۔ مگر خدا شاہد ہے کہ گو اب میری عمر پینتالیس سے تجاوز کر چکی ہے۔ اور میرے بچے پچیس پچیس سال کے ہو چکے ہیں۔ لیکن اب تک وقتاً فوقتاً ایسی حالت ہوتی رہتی ہے۔ کہ دل اس جدائی کو یاد کر کے بے تاب ہو جاتا ہے۔ یہ دُنیا گھر ہمیں معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ

گھر وہی معلوم ہوتا ہے جس میں ہمارا وہ پیارا رہتا ہے

اگر اس ذمہ واری کا احساس جو مجھ پر ڈالی گئی ہے۔ نہ ہو تو یہ غم مجھے بالکل کُچل دے۔ مگر یہ خیال کہ ہم انہی کا کام کر رہے ہیں۔ دل کو ڈھارس دیتا ہے۔ ورنہ دل بعض وقت اس قدر بے چین ہو جاتا ہے۔ کہ

ایک منٹ کی جُدائی

کی بھی تاب نہیں رہتی۔

پس گورنمنٹ سمجھ ہی نہیں سکتی۔ کہ ہمارے دل میں کیا جذبات امتنان ہیں۔ اس شخص کے متعلق۔ جس نے ہمارے سامنے

اسلام کی صحیح تعلیم

رکھی۔ جس نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ہمارے سامنے روشن کیا۔ جس نے ہمارا زندہ خدا ہمیں دکھایا۔ اور وہ پردہ جو ہم میں اور ہمارے معشوق میں حائل تھا۔ اس کو چاک کر کے ہمیں اس سے ملا دیا۔ اگر گورنمنٹ کو ہمارے دلوں کا حال معلوم ہوتا۔ اگر گورنمنٹ کو ان جذبات کا پتہ لگتا۔ تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کبھی ایسی بات نہ کہتی۔ مگر افسوس کہ اس نے کبھی ہمارے دلوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں قادیان میں ہی احراریوں کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے کہا گیا۔ کہ احمدی جماعت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک کرتی ہے۔ یہ کیسی اشتعال دلانے والی بات ہے۔ ہم تو وہ ہیں۔ کہ جنہوں نے

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت

کی حفاظت کے لئے ساری دُنیا سے لڑائی مول لی۔ مگر ہمیں ہی یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک کرنے والے ہیں۔ وہ خود تو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ منورہ میں مدفون قرار دیتے۔ اور مسیح کو آسمان پر زندہ سمجھتے ہیں وہ خود تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چڑیا بھی پیدا نہ کی۔ مگر مسیح ناصری نے بہت سے جانور پیدا کئے وہ خود تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مردہ بھی زندہ نہیں کیا۔ لیکن مسیح ناصری نے بہت سے مُردہ زندہ کئے اور اس طرح وہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک

کرتے۔ اور مسیح ناصری کو فوقیت دیتے ہیں لیکن الزام الٹا ہم پر لگاتے ہیں ہمارا تو دعوےٰ ہے۔ کہ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

پس اس طرح ہمارے دل دکھائے جاتے۔ اور ہمارے قلوب کو مجروح کیا جاتا ہے۔ مگر گورنمنٹ انہیں صرف وارننگ کرنے پر ہی اکتفا کرتی ہے۔ اور سوائے اس ایک موقعہ کے کہ زمیندار سے اس نے اب ضمانت لی ہے۔ اور کسی موقعہ پر گورنمنٹ نے ہماری تکلیف کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور اس ضمانت کا بھی اثر ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کیا ہوگا۔ کیونکہ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے۔ کہ چند دنوں بعد خاموشی سے

ضمانت واپس

کردی جاتی ہے۔ یہ ایک ہاتھ سے لینا اور دوسرے سے دیدینا "زمیندار" جیسی قسم کے لوگوں کے اخلاق کی ہرگز اصلاح نہیں کرتا۔

اب میں اپنے خطبہ کو ختم کرتے ہوئے جماعت سے کہتا ہوں۔ کہ اب ہمارا ایک جھگڑا تو احرار سے ہے۔ انہوں نے ہمیں چیلنج دیا ہے۔ اور گو ہم

ظاہری طور پر کمزور

ہیں۔ مگر ہمیں اللہ تعالےٰ کا حکم ہے۔ کہ کسی چیلنج کو ہم قبول کرنے سے انکار نہ کریں۔ اور ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم ثابت کردیں۔ کہ

ہمارے رب کے سپاہی

بزدل نہیں ہوتے۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ جب میں اس سکیم کو بیان کروں گا۔ جو ان فتن کے دور کرنے کے متعلق ہوگی تو اس وقت ہماری جماعت کا ہر فرد اپنے ذرائع کے مطابق لبیک کہتا ہوا آگے بڑھے گا۔

میں نے پہلے بھی بتایا تھا۔ کہ یہ فتنہ کوئی اہم چیز نہیں۔ اس سے

بڑے بڑے فتنے

ہماری جماعت کے لئے مقدر ہیں۔ مگر وہ جو چھوٹے فتنہ کے لئے قربانی کرنے پر تیار نہ ہو۔ اس سے امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی بڑے فتنہ کے وقت قربانی کرسکے گا۔ خدا بے شک عالم الغیب ہے۔ اور وہ ہماری نیتوں سے آگاہ ہے۔ مگر دنیا پر رعب اسی صورت میں پڑسکتا ہے۔ جب ہم اپنی قربانیوں سے اپنا زندہ ہونا ثابت کردیں۔ پس۔ اس

فتنہ کے استیصال کے لئے

جو تجاویز بتائی جائینگی۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ جماعت ان پر عمل کرے گی۔ اور گورنمنٹ کے معاملہ میں محبت پیار اور ادب کا سلوک قائم رکھے گی۔ مجھے یقین ہے۔ جیسا کہ اس خطبہ میں میں نے بیان کیا ہے۔ کہ بعض چھوٹے افسروں کی یہ کارروائی ہے۔ مجھے نہ تو ہز ایکسی لنسی گورنر پر شبہ ہے۔ اور نہ ہی مسلمان ہندو اور سکھ نمائندوں پر۔ کیونکہ یہ اتنی گری ہوئی بات ہے۔ کہ میں نہیں سمجھ سکتا۔ ایک ہندو یا سکھ بھی ہم سے اس معاملہ میں ہمدردی نہ کرے۔ پس مجھے اب تک یقین ہے۔ کہ

گورنمنٹ سے مراد

گورنمنٹ نہیں۔ بلکہ اس کے صرف چند افسر ہیں۔ اگر ہمیں ان کی طرف سے حق مل گیا۔ تو ہم الحمد للہ کہکر اس معاملہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور اگر یہ ہمارے حقوق ہمیں نہ دیں گے تو پھر ہم اپیل کریں گے۔ کہ اپنے میں سے ایک انگریز یا مسلمان افسر جو احرار سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ مقرر کیا جائے۔ اور اس کے سامنے ان تمام واقعات کو رکھا جائے۔ اگر اس طریق کو منظور نہ کیا گیا۔ تو پھر

گورنمنٹ آف انڈیا

کے پاس اپیل کی جائے گی۔ اور پھر

ہوم گورنمنٹ

کے پاس اور پھر انگلستان اور ایمپائر کی

پبلک کے پاس

اگر کہیں توجہ نہ ہوئی۔ تو پھر میں وہ طریق اختیار کروں گا۔ جو خدا تعالےٰ نے مجھے سمجھایا ہے۔ لیکن ان تمام حالات میں ہم قانون کے پابند رہیں گے۔ اور کسی صورت میں بھی گورنمنٹ کے ادب اور احترام کو اپنے ہاتھ سے نہیں دیں گے۔ اگر کوئی سرکاری افسر ہمارا ادب نہیں کرتا۔ تو اس کے مقابلہ میں اگر ہماری جماعت بھی اس کا ادب نہ کرے۔ تو وہ معذور سمجھی جائے گی۔ مگر قانون کو کسی صورت میں بھی توڑا نہیں جاسکتا۔ اگلے ہفتہ میں انشاء اللہ

احرار کے متعلق

جماعت کے سامنے وہ تجاویز پیش کروں گا۔ جو میں نے سوچ رکھی ہیں۔ اس ہفتہ میں صرف باہر کی جماعتوں کو ہوشیار کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ باہر کے لوگوں میں سے بہت کم ہیں جو قادیان کے حالات سے واقف ہوں۔ اسی طرح

عورتیں

سمجھتی ہوں۔ کہ انہیں شاید اس تحریک میں شامل نہ ہونا ہوگا اس لئے میں یہ بھی بتادینا چاہتا ہوں۔ کہ اس میں عورتوں کو بھی شامل ہونا پڑے گا۔ اور اس قربانی کا نہ صرف مردوں سے بلکہ عورتوں سے بھی تقاضا کیا جائے گا۔ مجھے اول تو امید ہے۔ کہ ہمیں سیاسیات میں پڑنے سے حکومت بچائیگی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا۔ تو چونکہ ہماری انجمنیں مذہبی ہیں۔ اور ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں۔ جن کے لئے اس معاملہ میں دخل دینا جائز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر بامر مجبوری ہمیں

سیاسی اقدام

کرنا پڑا۔ تو اس کے لئے الگ انجمنیں بنانی پڑیں گی۔ جو موجودہ مذہبی انجمنوں سے بالکل الگ ہوں گی۔ اور ان میں وہی لوگ ممبر ہوسکیں گے۔ جو قانونی طور پر ممبر ہوسکتے ہیں۔

میں اس امر کے آثار دیکھتا ہوں۔ کہ حکومت کو جلد وفادار جماعتوں کی امداد کی پھر ضرورت پیش آئے گی۔ میں یہ کسی الہام کی بنا پر نہیں کہتا۔ بلکہ زمانہ کے حالات کو دیکھ کر عقل کی بنا پر کہتا ہوں۔ میں نے

کانگرس کی تحریک

کو خوب غور سے دیکھا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اب کانگرس ایک ایسی سکیم تیار کررہی ہے۔ جس سے گو بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ میدان سے ہٹ گئی۔ مگر عنقریب وہ گورنمنٹ کو ایسی مشکلات میں ڈالدے گی۔ جس کے لئے پھر اسے

وفاداروں کی ضرورت

محسوس ہوگی۔ اور ہم پھر اپنے جھگڑے کو ایک طرف رکھکر اس کی مدد کے لئے تیار ہوجائیں گے۔ مگر حکومت نے ہمیں سبق دیدیا ہے کہ اس سے

سودا کئے بغیر

تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ ہم خود بھی آئندہ حکومت سے سودا کریں گے اور دوسروں کو بھی سودا کرنے کا سبق پڑھائیں گے سوائے اس صورت کے کہ حکومت ہم پر جو ظلم ہوا ہے اسے دور کردے۔ تب ہمارے تعلقات پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا۔ تو ہماری مدد سودا کرنے کے بعد ہوگی اور ہم اپنی

خدمات کا معاوضہ

طلب کریں گے۔ اور اس جھگڑے کے خاتمہ پر پھر اپنی

ہتک کا سوال

گورنمنٹ کے سامنے رکھیں گے۔ اور اس سے مطالبہ کرینگے کہ وہ ہماری ہتک کا ازالہ کرے۔ اور یہ جھگڑا اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ گورنمنٹ سے ہم

اپنا حق

لے لیں گے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان وھو غالب علی کل حکومۃ وجماعۃ وطاقۃ وناصر لحزبہ وناصری انبیائہ فالغلبۃ لنا ولا علینا فالحمد للہ رب العالمین وھو احکم الحاکمین وخیر الناصرین۔

عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور قادیان سے ہی شائع کیا (ایڈیٹر غلام نبی)